خارِ ماضی

مرزا امجد بیگ

کہتے ہیں کہ کینہ پرور انسان نہ تو خود خوش رہتا ہے نہ ہی کسی کو رہنے دیتا ہے... اس کی فطرت بھی کچھ ایسی ہی تھی... اس کے دل میں چبھی پھانس بار بار اسے انتقام پر اکساتی تھی اور جیسے ہی اسے موقع ملا، ویسے ہی ایک ناقابلِ یقین منصوبہ ترتیب دے ڈالا... لیکن جب قدرت کے بے رحم ہاتھ ظالم کی رسّی کھینچتے ہیں تو بڑے سے بڑا منصوبہ ساز کی سانسیں تک رک جاتی ہیں... لہٰذا وہ جس دائرے میں قید ہوا تھا وہاں کوئی روزن... کوئی درز نہیں تھی... ایسے میں گھٹن تو ہونا ہی تھی...

ایک شاطر کی چالوں اور وکیل کی دلیلوں کے مابین دلچسپ معرکہ آرائی کا احوال

ZEMTIME.COM

www.zemtime.com

کوئی شخص بہ یک وقت جرأت مند اور احمق بھی ہوسکتا ہے، اس کا مجھے اندازہ تھا اور نہ ہی کوئی تجربہ مگر وہ کچھ ایسا ہی تھا۔ اس کیس کی ابتدائی پیشی کو بھگتانے کے بعد میں کورٹ روم سے باہر نکلا تو کوریڈور میں وہ اچانک ہی میرے سامنے آگیا تھا۔ سلام نہ دعا اور نہ ہی کوئی مصافحہ یا علیک سلیک..... اس نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پُراعتماد لیکن عجیب سے لہجے میں کہا تھا۔

''زرینہ کو میں نے موت کے گھاٹ اتارا ہے مگر آپ مجھے قاتل ثابت نہیں کرسکو گے.....!''

میں نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اور روکھے انداز میں استفسار کیا۔ ''آپ کی تعریف؟''

اس کے ہونٹوں پر طنزیہ، اشتعال انگیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے وہ بے نیازی سے کندھے اچکا کر ایک طرف بڑھ گیا۔

میری سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا کہ وہ کون تھا اور اس نے یہ بات مجھے کیوں بتائی تھی۔ میں اس کیس میں وکیلِ صفائی کا کردار ادا کررہا تھا۔ میرا کام اپنے مؤکل چاند میاں کو باعزت بری کرانا تھا نہ کہ کسی کو قاتل ثابت کرنا۔ اسے میرے بجائے وکیلِ استغاثہ سے رجوع کرنا چاہیے تھا اور سب سے اہم بات یہ کہ زرینہ لاپتا ہوئی تھی۔ اس کی زندگی اور موت کے بارے میں حتمی طور پر کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ زرینہ میرے مؤکل چاند میاں کی بیوی تھی جو گھر سے اچانک غائب ہوگئی تھی۔ میرا مؤکل جب اپنی بیوی کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرانے متعلقہ تھانے پہنچا تو پولیس نے الٹا اسی کو گرفتار کرلیا تھا۔

حالات حد درجہ الجھے ہوئے تھے۔ چاند میاں نے مجھے جو کہانی سنائی تھی اس کی روشنی میں وہ بے گناہ نظر آتا تھا۔ اسی بنا پر میں نے اس کا کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ یہ کیس میرے ایک دیرینہ شناسا فیاض مفتی کے توسط سے آیا تھا۔ آپ کہیں فیاض صاحب کو فتاویٰ صادر کرنے والا کوئی

مفتی اعظم نہیں سمجھ لیجیے گا۔ ''مفتی'' اس کا ''سرنیم'' تھا۔ پیشے کے اعتبار سے وہ ایک سماجی کارکن تھا اور انسانی حقوق کے تحفظ سے متعلق ایک فلاحی تنظیم کا روحِ رواں تھا۔

میں نے آج کی پیشی پر اپنے مؤکل کی ضمانت کرانے کی پوری کوشش کی تھی لیکن وکیل استغاثہ میرے مؤکل کے خلاف کچھ ایسی چیزیں لے کر آ گیا تھا جس سے سرِدست یہی نظر آتا تھا کہ زرینہ کے غیاب میں اس کے شوہر یعنی میرے مؤکل چاند میاں کا ہی ہاتھ تھا لہٰذا جج نے ملزم کی درخواستِ ضمانت کو رد کرتے ہوئے اسے جوڈیشل کسٹڈی میں دے دیا تھا۔

اگلی پیشی پندرہ روز کے بعد تھی۔

پارکنگ لاٹ کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے میں اسی، خود کو قاتل کہنے والے شخص کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے مختلف زاویوں سے اس کے الفاظ پر غور کیا مگر اس بندے کے عزائم کے حوالے سے کوئی واضح تصویر میری سوچ میں نمودار نہ ہو سکی۔ بالآخر میں نے یہ سوچتے ہوئے اس نامعلوم آدمی کو ذہن سے جھٹک دیا۔

''شاید یہ استغاثہ کی کوئی چال ہے۔ اس نے مجھے الجھانے اور درست سمت میں پیش قدمی کرنے سے روکنے کے لیے یہ حربہ اختیار کیا ہے۔''

اس روز میں لنچ وغیرہ سے فارغ ہو کر جب اپنے آفس پہنچا تو وہاں ایک حیرت پہلے سے میری منتظر تھی۔ میں اپنے چیمبر میں جا کر بیٹھا ہی تھا کہ میری سیکریٹری بشریٰ نے ایک لفافہ مجھے تھماتے ہوئے کہا۔

''سر! کوئی نجومی آپ کے لیے یہ دے گیا ہے۔''

''نجومی.....!'' میں نے اس کے ہاتھ سے لفافہ لیتے ہوئے الجھن زدہ انداز میں کہا۔

''ہاں سر.....!'' وہ دبے دبے جوش کے ساتھ بولی۔ ''اس نے مجھے بتایا تھا کہ آپ پندرہ منٹ کے بعد آفس میں ہوں گے اور اس کا حساب ایک دم پرفیکٹ نکلا۔ سر! جب آپ نے آفس میں قدم رکھا تو اسے گئے ٹھیک پندرہ منٹ ہی ہوئے تھے۔ نہ ایک منٹ اوپر اور نہ ایک منٹ نیچے۔ میں نبیل صاحب سے اپنا زائچہ بنوانا چاہتی ہوں۔ اگر آپ سفارش کر دیں گے تو وہ آپ کی بات نہیں ٹالیں گے..... پلیز سر!''

''اوہ! تو تم نے ان صاحب کا نام بھی پوچھ لیا؟'' میں نے سوالیہ نظر سے بشریٰ کی طرف دیکھا۔

''میرے پوچھے بغیر ہی انہوں نے خود اپنا نام بتا دیا تھا۔''

''اور آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں کسی ایسے شخص سے آپ کی سفارش کروں گا جسے میں جانتا تک نہیں؟''

''ارے سر! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ بے یقینی سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''نبیل صاحب تو کہہ رہے تھے کہ وہ آپ کے دوست ہیں۔''

بشریٰ کی باتوں نے مجھے تذبذب میں ڈال دیا۔ میں کسی ایسے نبیل کو جانتا تک نہیں تھا جو ستاروں کی چالوں پر نظر رکھتا ہو لیکن بشریٰ کے بشرے پر سجے تاثرات سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مجھ سے غلط بیانی نہیں کر رہی۔

''کامران کہاں ہے؟'' میں نے اس نامعلوم ستارہ شناس نبیل کے موضوع سے ہٹتے ہوئے اپنی سیکریٹری سے پوچھا۔

''آفس ہی میں ہے۔''

کامران ایک ہونہار جوان تھا۔ اس نے انٹرنس کا امتحان پاس کر رکھا تھا اور مزید تعلیم کے حصول کے لیے اس نے پرائیویٹ اسٹڈی کو جاری رکھا ہوا تھا۔ میرے پاس وہ پارٹ ٹائم کام کرتا تھا تاکہ اپنے تعلیمی اخراجات نکالنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنی فیملی کو بھی فنانشل سپورٹ دے سکے۔ میں اپنی ضروریات کے مطابق کامران سے مختلف نوعیت کے کام لیا کرتا تھا جس میں چائے کافی بنانا بھی شامل تھا۔

''کامران سے کہیں کہ میرے لیے ایک کپ کافی بنا لائے۔'' میں نے بشریٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''باقی نبیل صاحب کے موضوع پر ہم راستے میں بات کریں گے۔''

''اوکے سر'' کہتے ہوئے وہ میرے چیمبر سے نکل گئی۔

بشریٰ نے گریجویشن کر رکھا تھا۔ اس کی عمر تیس کے آس پاس تھی لیکن ابھی تک اس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ یہ اس کا انتہائی ذاتی معاملہ تھا اس لیے میں نے کبھی اس پوائنٹ پر اس سے بات نہیں کی تھی۔ وہ پوری توجہ، محنت اور ذمے داری سے اپنا کام کر رہی تھی۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ اس کے بارے میں، میں بس یہ جانتا تھا کہ اس کی فیملی میں صرف ایک باپ ہی تھا۔ اس کا باپ محمد شفیق ریٹائرڈ لائف گزار رہا تھا۔ وہ اسکول ہیڈ ماسٹر کے عہدے سے ریٹائر ہوا تھا۔ گھر اپنا تھا اس لیے کوئی معاشی مسئلہ درپیش نہیں تھا۔ اسے ریٹائرمنٹ کے وقت جو فنڈز ملے تھے، وہ رقم اس نے سیونگ سرٹیفکیٹس کی صورت محفوظ کر لی تھی جس پر ہر ماہ اسے مناسب منافع مل جاتا تھا۔ بشریٰ کی سیلری اور وہ منافع ملا کر ان کی اچھی گزر بسر ہو جاتی تھی۔ بشریٰ کی رہائش ناظم آباد کے علاقے میں بورڈ آفس کے نزدیک تھی۔ یہ جگہ میرے راستے میں پڑتی تھی اس لیے آفس بند کرنے کے بعد وہ میرے ساتھ ہی جایا کرتی تھی۔ میں اسے بورڈ

www.zemtime.com

آفس پر اس کے گھر کے نزدیک ڈراپ کر کے آگے نکل جاتا تھا۔ بشریٰ ایک بھولی بھالی، سادہ دل اور بے وقوفی کی حد کو چھوتی ہوئی ایک باؤلی سی لڑکی تھی۔ اس میں ہوشیاری اور چالاکی نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ بہت جلد سامنے والے کی بات کا یقین کر لیتی تھی۔ بہ الفاظِ دیگر اسے الو بنانا اور دھوکا دینا آسان تھا۔

بشریٰ کے جانے کے بعد میں نے وہ لفافہ کھول لیا جو بشریٰ کے بقول میرا کوئی دوست میرے لیے دے گیا تھا۔ مذکورہ لفافے کے اندر سے دو چیزیں برآمد ہوئیں۔ نمبر ایک، مختصر سی تحریر۔ نمبر دو، ایک پوسٹ کارڈ سائز تصویر..... اور یہ تصویر اسی شخص کی تھی جو آج عدالت کے کوریڈور میں اچانک ہی میرے سامنے آ گیا تھا اور اس نے بڑے دعوے کے ساتھ چیلنج کرنے والے انداز میں مجھ سے کہا تھا۔

''زرینہ کو میں نے موت کے گھاٹ اتارا ہے مگر آپ مجھے قاتل ثابت نہیں کر سکو گے۔''

میں نے اس فوٹو کو ایک طرف رکھا اور مذکورہ مختصر تحریر کو پڑھنے لگا۔ اس نے لکھا تھا۔

''آپ نے مجھے آج پہلی اور آخری بار عدالت میں دیکھا ہے اور وہ بھی چند سیکنڈ کے لیے۔ میں اپنی تصویر اس لیے دے کر جا رہا ہوں کہ آپ کو مجھے تلاش کرنے اور پہچاننے میں آسانی ہو جائے کیونکہ چند سیکنڈ کے لیے دیکھا ہوا میرا چہرہ عین ممکن ہے آپ کی یادداشت سے محو ہو جائے۔ بہرحال، میرا دعویٰ اپنی جگہ پر اٹل کھڑا ہے۔ آپ مجھے قاتل ثابت کرنا تو دور کی بات، میری گرد کو بھی نہیں پا سکیں گے۔ آل دی ورسٹ!''

میرا دماغ گھوم کر رہ گیا۔ اس کی یہ ہمت کہ وہ میرے آفس تک پہنچ گیا تھا۔ اس انداز میں چیلنج کرنے والے کسی کردار سے پہلے کبھی میرا سابقہ نہیں پڑا تھا۔ میں نے اس پراسرار اجنبی کی تحریر کو اپنی میز کی دراز میں ڈالا اور انٹرکام کا ریسیور تھام کر بشریٰ سے کہا۔

''آپ ذرا اندر آئیں۔''

''او کے سر!'' وہ جلدی سے بولی۔

بشریٰ جب میرے چیمبر میں آئی تو میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ''لفافہ دینے والے شخص نے اپنا نام کیا بتایا تھا؟''

''نبیل۔'' اس نے جواب دیا۔

''اگر آپ کو اس کا نام یاد ہے تو یقیناً اس کا چہرہ بھی آپ کی یادداشت میں محفوظ ہوگا؟''

''جی..... بالکل سر!'' وہ گردن کو اثبات میں حرکت دیتے ہوئے جلدی سے بولی۔

''مجھے لگتا ہے آپ نے مجھے یہ خوشخبری دینے کے لیے اپنے پاس بلایا ہے کہ آپ نے نبیل صاحب سے میری سفارش کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

اس کی معصومیت بھری سادگی پر مجھے ترس آیا اور نہ ہی غصہ۔ میں نے معتدل انداز میں کہا۔ ''بشریٰ جی! آپ تو خود ہی ایک خوشخبری ہیں۔''

''جی.....!'' وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی۔ ''میں سمجھی نہیں سر؟''

''آپ کے نام ''بشریٰ'' کے معنی ہیں بشارت..... خوشخبری..... نوید مسرت!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''نبیل صاحب اور ان کی ستارہ شناسی پر ہم آفس سے واپسی پر بات کریں گے۔'' پھر میں نے لفافے سے برآمد ہونے والی تصویر کو اس کی نگاہ کے سامنے لاتے ہوئے گمبھیر انداز میں استفسار کیا۔

''کیا آپ اسے پہچانتی ہیں؟''

''نن..... نہیں۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''یہ لڑکا کون ہے؟''

''ٹھیک ہے، آپ جائیں۔'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔

وہ چند لمحات تک متذبذب نظر سے مجھے تکتی رہی پھر مزید کوئی سوال کیے وہ واپس چلی گئی حالانکہ اس کی آنکھوں اور چہرے پر درجنوں استفسارات چمک رہے تھے۔

ایک بات تو صاف ہو گئی تھی کہ نبیل نامی جو شخص بشریٰ کو لفافہ دے کر گیا تھا، وہ اس تصویر میں نہیں تھا۔ بشریٰ نے تصویر کو دیکھتے ہی اس کے لیے ''لڑکا'' کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اگرچہ تصویر میں نظر آنے والا وہ شخص کوئی نوعمر لڑکا نہیں تھا لیکن اسے پکی عمر کا بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ میرے محتاط اندازے کے مطابق اس کی عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی اور بلاشبہ یہی بندہ آج مجھ سے عدالت میں ملا تھا۔ اس نے کسی نبیل نامی شخص کے ذریعے میرے لیے اپنی تصویر بھجوائی تھی اور یہ ضروری نہیں تھا کہ بشریٰ کو متاثر کرنے والے اس آدمی کا اصلی نام نبیل ہی ہو۔ یہ بھی طے تھا کہ اس نامعلوم شخص نے مجھ پر نگاہ رکھی ہوئی تھی جبھی تو وہ جانتا تھا کہ میں کب اور کتنے بجے اپنے آفس پہنچوں گا۔

جب انسان کو یہ پتا چلے کہ کوئی مسلسل اس پر نظر رکھے ہوئے ہے تو ایک عجیب سی بے چینی دل و دماغ کو اپنی گرفت

www.zemtime.com

میں لے لیتی ہے لیکن انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے دل و دماغ کی یہی کیفیت اللہ کے معاملے میں کبھی نہیں ہوتی۔ ہم اپنی ہی دھن میں کسی بے چینی و بے قراری سے کوسوں دور اپنے جائز اور ناجائز دھندوں میں مصروف رہتے ہیں حالانکہ یہ بات ہمارے ایمان کا لازمی جزو ہے کہ وہ ذات پاک ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہے اور ہماری سوچ و عمل سے باخبر بھی۔

میں نے اس پوسٹ کارڈ سائز کی تصویر کے پیچھے ''نبیل'' کا نام لکھا۔ اس مختصر تحریر والے پرچے کو تصویر کے ساتھ اسٹیپل کیا اور واپس لفافے میں رکھنے کے بعد اپنی میز کی دراز میں محفوظ کرلیا۔

☆☆☆

آئندہ پیشی پر عدالت کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔ جج نے فردِ جرم پڑھ کر سنائی۔ میرے مؤکل اور اس کیس کے ملزم چاند میاں نے صحتِ جرم سے صاف انکار کرتے ہوئے عدالت کو بتایا کہ زرینہ کی گمشدگی میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں۔

اس کے بعد ملزم کا حلفیہ بیان ریکارڈ کیا گیا۔ یہ بیان کم و بیش وہی تھا جو وہ اس سے پہلے پولیس کو دے چکا تھا تاہم اس نے اب کی بار پرانی باتوں کو میری ہدایت کی روشنی میں قدرے بہتر انداز میں بیان کیا تھا۔ جب ملزم کا بیان ہو چکا تو وکیلِ استغاثہ جرح کے لیے اکیوزڈ باکس کے نزدیک چلا گیا اور میرے مؤکل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں سوال کیا۔

''رات کو سونے سے پہلے فلیٹ کے داخلی دروازے کو اندر سے کنڈی کون لگایا کرتا تھا..... تم یا تمہاری بیوی زرینہ؟''

''زرینہ جلدی سونے کی عادی ہے۔ مطلب یہ کہ وہ گیارہ بجے تک سو جایا کرتی تھی اور میں لگ بھگ دو بجے سوتا ہوں۔'' ملزم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''لہٰذا بیرونی دروازے کی کنڈی اور لاک وغیرہ کو چیک کرنا میری ذمے داری ہے۔''

''کیا وقوعہ کی رات یعنی سترہ اور اٹھارہ جولائی کی درمیانی شب بھی سونے سے پہلے تم نے فلیٹ کے بیرونی دروازے کی کنڈی اور لاک اچھے سے لگایا تھا؟''

''جی ہاں۔'' چاند میاں نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''کیا فلیٹ کے اندر آنے اور باہر نکلنے کے لیے اس دروازے کے علاوہ کوئی اور دروازہ یا راستہ بھی ہے؟'' وکیل استغاثہ نے کڑے لہجے میں استفسار کیا۔

''نہیں..... یہ دو کمروں والا ایک چھوٹا سا فلیٹ ہے۔'' ملزم نے بتایا۔ ''جو کہ بلڈنگ کے فرسٹ فلور پر یعنی میرے اسٹوڈیو کے عین اوپر واقع ہے اور اس میں آمد و شد کا صرف ایک ہی راستہ ہے یعنی وہ دروازہ جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں۔''

میرا مؤکل چاند میاں پیشے کے اعتبار سے ایک فوٹو گرافر تھا اور اس کی دکان یعنی ''چاند فوٹو اسٹوڈیو'' گراؤنڈ فلور کے فرنٹ پر واقع تھی۔ یہ طارق روڈ کا کمرشل ایریا تھا۔

''جب تم نے اپنے فلیٹ کے بیرونی دروازے کی کنڈی تالا چیک کرنے کے بعد سونے کے لیے اپنے بیڈ کا رخ کیا تو اس وقت تمہاری بیوی زرینہ کہاں تھی؟''

''وہ بیڈ پر سو رہی تھی۔'' ملزم نے جواب دیا۔ ''اور گہری نیند میں تھی۔ اسے سوئے کم و بیش تین گھنٹے گزر چکے تھے۔''

''اور اگلی صبح یعنی اٹھارہ جولائی کی صبح جب تم بیدار ہوئے تو زرینہ بیڈ پر موجود نہیں تھی؟'' وکیل استغاثہ نے ملزم کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''تم نے واش روم، کچن اور لاؤنج (ڈرائنگ روم) الغرض ہر جگہ اپنی بیوی کو تلاش کرلیا مگر وہ کہیں نہیں ملی۔ تمہیں خیال آیا کہ وہ کسی کام سے باہر نہ نکل گئی ہو چنانچہ تم نے فلیٹ سے باہر نکل کر اپنی بیوی کو ڈھونڈنے کے بارے میں سوچا اور اسی وقت تم پر یہ انکشاف ہوا کہ بیرونی دروازے کی کنڈی اور تالا تو ہنوز بند تھے۔ تم نے پولیس کو اور بعد ازاں معزز عدالت کے روبرو یعنی ابھی تھوڑی دیر پہلے یہی بیان دیا ہے نا؟''

''بالکل!'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ''یہی حقیقت ہے۔''

''کیا تمہاری گمشدہ بیوی کوئی جادو ٹونا وغیرہ بھی جانتی تھی؟'' وکیل استغاثہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں جناب!'' چاند میاں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

''پھر وہ تالا بند فلیٹ کے اندر سے غائب کیسے ہوگئی؟'' وکیل استغاثہ نے خاصے جارحانہ انداز میں پوچھا۔

''اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ شاید تمہاری بیوی کوئی عظیم سائنس دان تھی جس نے خود کو بھاپ میں تبدیل کیا اور تالا بند دروازے کا رخ کرنے کے بجائے وہ کھڑکی کے راستے فلیٹ سے باہر نکل گئی۔''

ملزم نے بے حد الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہی بات تو میری سمجھ میں نہیں آرہی کہ زرینہ بند فلیٹ سے غائب کیسے ہوگئی۔ بیوی میری گم ہوئی ہے اور الٹا مجھے ہی اس کی گمشدگی کا ذمے دار ٹھہرا کر جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔ یہ بھلا

www.zemtime.com

کہاں کا انصاف ہے۔"

چاند میاں کی عمر پچپن سال تھی۔ وہ بھاری تن و توش کا مالک ایک میانہ قامت شخص تھا۔ اس نے ہلکی پھلکی ڈاڑھی بھی رکھی ہوئی تھی جو اس کی شخصیت پر خوب جچتی تھی۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وکیل استغاثہ کے تیز و تند سوالات کے سامنے وہ ٹک پائے گا لیکن اس کے تحمل اور بردباری کو دیکھ کر مجھے یقین ہو چلا تھا کہ اس کے اعصاب کافی مضبوط تھے۔ وہ میری ہدایات کے عین مطابق جواب دے رہا تھا۔

"یہ عدالت تمہیں یہ سمجھانے اور تمہاری زبان سے یہ اگلوانے کے لیے ہی تو لگائی گئی ہے کہ زرینہ کہاں غائب ہوگئی؟" وکیل استغاثہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ "بتاؤ، تم نے اپنی بیوی کے ساتھ کیا، کیا ہے؟"

"میں کچھ نہیں جانتا وہ کہاں چلی گئی۔" ملزم نے بے بسی سے کہا۔

"معزز عدالت جاننا چاہتی ہے کہ تمہاری عمر اس وقت کتنی ہوگی؟"

"پچپن سال۔" ملزم نے بتایا۔

"اور تمہاری گمشدہ بیوی کی عمر؟"

"ستائیس سال۔"

"گویا ایک سال پہلے تم نے خود سے آدھی عمر کی ایک عورت سے شادی کی تھی؟" وکیل استغاثہ نے تصدیق طلب انداز میں پوچھا۔

"ہاں، یہ سچ ہے۔" چاند میاں نے اطمینان سے جواب دیا پھر عجیب سے انداز میں سوال کیا۔ "کیا کوئی ایسا قانون پاس ہوگیا ہے کہ کوئی مرد خود سے آدھی عمر کی عورت سے شادی نہیں کرسکتا؟"

ملزم کے اس معصومانہ سوال پر کمرائے عدالت میں موجود افراد میں سے بہت سوں کی ہنسی چھوٹ گئی اور وہ آپس میں چہ میگوئیاں بھی کرنے لگے۔ جج نے بہ آوازِ بلند کہا۔

"آرڈر ان مائی کورٹ پلیز..... آرڈر، آرڈر.....!"

کمرائے عدالت میں یکایک سناٹا چھا گیا۔ اس صورتِ حال نے وکیل استغاثہ کو خجل سا کردیا تھا جبکہ ملزم مسلسل اپنے سوال کے جواب میں اسے دیکھ رہا تھا۔ جج نے وکیل استغاثہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ ملزم سے اور کچھ پوچھنا چاہیں گے؟"

"یس سر!" وہ جلدی سے بولا پھر اکیوزڈ باکس میں کھڑے میرے موکل کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے جارحانہ انداز میں سوال کیا۔

"کیا تم اس بات سے انکار کرسکتے ہو کہ گمشدہ زرینہ تمہاری دوسری بیوی تھی۔ بیس سال پہلے تم نے عارفہ نامی ایک عورت سے پہلی شادی کی تھی اور ایک سال کے اندر ہی تم دونوں کے بیچ اختلافات اس قدر بڑھ گئے تھے کہ عارفہ نے تم سے خلع لے لیا تھا؟"

"میں آپ کی بات سے مکمل طور پر اتفاق نہیں کرسکتا وکیل صاحب!" ملزم نے رسان بھرے انداز میں کہا۔

وکیل استغاثہ نے کڑے لہجے میں پوچھا۔ "اس کا بھلا کیا مطلب ہوا؟"

"اس کا واقعتاً بھلا سا ہی مطلب ہوا۔" ملزم، وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولا۔ "یہ سچ ہے کہ میں نے آج سے بیس سال پہلے عارفہ سے شادی کی تھی لیکن یہ تجربہ کامیاب نہیں رہا تھا۔ بالآخر میں نے عارفہ کو طلاق دے دی تھی۔ اس نے مجھ سے خلع نہیں لیا تھا۔"

"تم نے طلاق دی تھی یا اس نے خلع لیا تھا، ایک ہی بات ہے۔" وکیل سرکار نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "بہرحال تم دونوں ایک دوسرے کی زندگی سے نکل گئے تھے۔"

"یہ درست ہے کہ اس ناخوشگوار واقعے کے بعد ہمارے بیچ کسی قسم کا کوئی تعلق، واسطہ نہیں رہا تھا۔" ملزم نے بدستور وکیل مخالف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن خلع اور طلاق کے لیے "ایک ہی بات ہے" ایسے الفاظ استعمال کرنا قطعاً مناسب نہیں ہوگا۔ آپ قانون داں ہیں۔ یہ فرق مجھ سے زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔"

وکیل استغاثہ نے خلع / طلاق کے موضوع سے کنی کاٹتے ہوئے ملزم سے اگلا سوال کیا۔ "کیا یہ درست ہے کہ تمہارے اور عارفہ کے بیچ وجہ ناچاقی تمہارا مزاج رہا تھا۔ تم غصے کے بہت تیز ہو اور اگر تمہارے مزاج کے خلاف کوئی بات ہوجائے تو تم ہاتھ اٹھانے میں کسی تاخیر سے کام نہیں لیتے؟"

وکیل استغاثہ میرے موکل سے جس نوعیت کی جرح کررہا تھا اس پر میرے اعتراض کی گنجائش نکلتی تھی لیکن میں نے دانستہ مداخلت کرنے سے احتراز برتا کیونکہ ایک تو ملزم بڑے اعتماد کے ساتھ جواب دے رہا تھا، دوسرے میں چاہتا تھا کہ ملزم کی زبانی چند اہم نکات عدالت کے ریکارڈ پر محفوظ ہوجائیں۔

"یہ درست نہیں ہے وکیل صاحب!" چاند میاں نے معتدل انداز میں کہا۔ "بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ عارفہ ایک بدزبان اور ہٹ دھرم عورت تھی۔ میں نے ایک سال تک اس کی بے ہودگیوں کو برداشت کرنے کی بہت

www.zemtime.com

کوشش کی مگر یہ کوشش بارآور نہیں ہوسکی تھی لہٰذا راستے الگ کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہیں بچا تھا۔ بس، اتنی سی بات ہے۔''

''کیا گمشدہ زرینہ کے بارے میں بھی تمہارے یہی خیالات ہیں؟'' وکیل استغاثہ نے اس کے چہرے پر نگاہ جما کر چبھتے ہوئے انداز میں استفسار کیا۔ ''کہ یہ بھی بدزبان، بے ہودہ، بدتمیز اور جاہل عورت تھی؟''

ملزم نے حیرانی بھرے لہجے میں جواب دیا۔ ''ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

''پھر صبح شام تمہارا اس سے لڑائی جھگڑا کیوں ہوتا رہتا تھا؟'' وکیل استغاثہ نے سخت لہجے میں سوال کیا۔ ''تم نے کئی بار اسے زدوکوب بھی کیا تھا۔ تم اس کے کردار پر شک کرتے تھے۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں وکیل صاحب؟'' ملزم نے الجھن آمیز بے یقینی سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا اور وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''ہلکی پھلکی نوک جھوک تو ہر میاں بیوی میں ہوجاتی ہے لیکن آپ نے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے، ہمارے بیچ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ اگر میں زرینہ کو بدکردار سمجھ رہا ہوتا تو اس کی گمشدگی پر اس قدر پریشان کیوں ہوجاتا۔ شاید آپ کو کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے۔''

''مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے اور نہ ہی میں اپنی طرف سے کچھ کہہ رہا ہوں۔'' وکیل استغاثہ نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''یہ زرینہ کا بیان ہے جو اس نے دس جولائی کو اپنے علاقے کے پولیس اسٹیشن میں جاکر دیا تھا۔'' پھر وہ اپنی فائل کے اندر سے ایک کاغذ نکال کر جج کی جانب بڑھا اور مذکورہ پیپر کو جج تک پہنچانے کے بعد کراری آواز میں بولا۔

''یور آنر! وقوعہ سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے یعنی دس جولائی کو زرینہ نے متعلقہ تھانے میں اپنے شوہر یعنی اس کیس کے ملزم کے خلاف رپورٹ درج کراتے ہوئے ان تمام باتوں کا ذکر کیا تھا جن کا حوالہ ابھی میں نے دیا ہے اور آخر میں سہمے ہوئے انداز میں کہا تھا کہ ملزم کی جانب سے اسے جان کا خطرہ ہے۔ میں نے مذکورہ رپورٹ کی نقل معزز عدالت کی خدمت میں پیش کردی ہے جس سے بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ زرینہ کی گمشدگی میں ملزم ہی کا ہاتھ ہے۔ اغلب امکان اس بات کا ہے کہ ملزم نے نہایت ہی خاموشی اور مہارت کے ساتھ اپنی بیوی کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔''

جج نے بغور اس رپورٹ کی نقل کا جائزہ لیا پھر ملزم کی طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ ''تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟''

ملزم نے مذکورہ رپورٹ سے اپنی مکمل لاعلمی کا اظہار کردیا۔

قبل اس کے کہ وکیل استغاثہ اپنی جرح کو آگے بڑھاتا، میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے... بہ آوازِ بلند کہا۔ ''جناب عالی! اس نازک موقع پر میں اس کیس کے انکوائری آفیسر سے صرف دو مختصر سوالات کرنا چاہتا ہوں اگر معزز عدالت کی اجازت ہو تو.....!''

''پرمیشن گرانٹیڈ!'' جج نے مخصوص لہجے میں کہا۔

کسی بھی کیس میں تفتیشی افسر کی حیثیت استغاثہ کے ایک گواہ ایسی ہوتی ہے اور گواہ بھی ایسا کہ ہر پیشی پر اسے عدالت میں حاضر رہنا پڑتا ہے۔ میری فرمائش اور جج کے حکم پر آئی او (انکوائری آفیسر) وٹنس باکس میں آکر کھڑا ہوگیا۔

اس کا نام گل شیر رانا اور عمر پینتالیس سال تھی۔ عہدے کے اعتبار سے وہ ایک سب انسپکٹر تھا۔ میں وٹنس باکس کے نزدیک چلا گیا اور آئی او کے چہرے پر نگاہ گاڑ کر کہا۔

''رانا صاحب! سوال نمبر ایک..... کیا آپ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ دس جولائی کو گمشدہ زرینہ نے آپ کے تھانے آکر یہ رپورٹ درج کرائی تھی؟''

''جی، یہ سچ ہے۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''لاپتا زرینہ اپنے بہنوئی کے ہمراہ تھانے آئی تھی اور اس نے یہ رپورٹ لکھوائی تھی۔''

''ٹھیک ہوگیا۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا پھر آئی او پر اپنی جرح کو مکمل کرتے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔ ''رانا صاحب! دوسرا اور آخری سوال..... اس رپورٹ کا آخری حصہ خاصا سنگین اور تشویشناک ہے۔ لاپتا زرینہ نے ملزم چاند میاں کو اپنی جان کے لیے خطرہ قرار دیا تھا۔ اس کے باوجود... رپورٹ درج کرانے کے آٹھ روز بعد تک بھی آپ کے تھانے کی طرف سے ایک پریشان حال اور مصیبت زدہ عورت کی شکایت پر کوئی قانونی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ کیا اس کا سبب یہ رہا کہ اس رپورٹ کے درج ہوتے ہی آپ کے تھانے کا تمام عملہ استخارہ کرنے میں مصروف ہوگیا تھا تاکہ پتا چلایا جاسکے کہ اس نوعیت کی شکایات کے ازالے کے لیے کیا کیا قانونی چارہ جوئی کی جاسکتی ہے؟ یا پھر آپ لوگ ہر معاملے کو اتنا ہی ایزی لیتے ہیں؟''

''ایسی بات نہیں ہے وکیل صاحب!'' وہ جزبز ہوتے ہوئے بولا۔ میرے سوالات نے صحیح معنوں میں اسے گڑبڑا کر رکھ دیا تھا۔ ''انچارج صاحب نے اس

www.zemtime.com

رپورٹ پر فوری کارروائی سے روک دیا تھا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ میاں بیوی کے جھگڑے پانی کے بلبلے کے مانند ہوتے ہیں۔ یہ چاہے پورا دن ایک دوسرے کی ایسی کم تیسی کرتے رہیں لیکن رات بھیگنے کے ساتھ ہی بیڈ پر یہ تمام اختلافات کو بھلا کر ایک ہو جاتے ہیں لہٰذا امید اس بات کی ہے کہ چاند میاں آج رات اپنی بیوی زرینہ کے سارے شکوے دور کر دے گا۔ تم لوگ دیکھ لینا، زرینہ دوبارہ رپورٹ درج کرانے نہیں آئے گی اور ایسا ہی ہوا بھی تھا۔ اس سلسلے میں انچارج صاحب نے ہمیں اپنے ایک دوست کا دلچسپ واقعہ بھی سنایا تھا۔''

''اگر واقعہ واقعتاً دلچسپ ہے تو معزز عدالت اور سامعین عدالت کو بھی سنائیں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اور یہ کوئی تیسرا سوال نہیں بلکہ ایک فرمائش ہے۔ اگر موڈ نہ ہو تو آپ انکار بھی کر سکتے ہیں۔''

''انچارج صاحب نے ہمیں بتایا کہ ان کے ایک دوست کی شادی کو پچیس سال گزر چکے تھے۔'' ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میرے سننے سے زیادہ اسے اپنے سنانے سے دلچسپی تھی۔ وہ کسی خودکار مشین کے مانند شروع ہو گیا۔ ''ان پچیس سالوں میں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا تھا جب ان میاں بیوی میں جھگڑا نہ ہوا ہو اور جھگڑا بھی ایسا کہ جس میں زبان کے ساتھ ہی ہاتھ پاؤں بھی چلا کرتے تھے۔ انہیں ایک دوسرے کی شکل سے نفرت ہو گئی تھی لیکن سب سے مزے کی بات یہ کہ دنگے فساد کے انہی پچیس سالوں کے دوران میں ان کی شبینہ پھرتیوں کے طفیل وہ ماشاءاللہ نو عدد بچوں کے والدین بن گئے تھے۔''

بات ختم کر کے انکوائری آفیسر نے داد طلب نظر سے مجھے دیکھا تو میں نے سنجیدگی کی اداکاری کرتے ہوئے پوچھا۔ ''میرے دوست! کیا آپ کے انچارج کے دوست کا قصہ تمام ہو چکا؟''

''یس سر!'' وہ جلدی سے بولا۔

''مزہ نہیں آیا۔'' میں نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''این اولڈ اینڈ بورنگ جوک..... کیا خیال ہے، عدالتی کارروائی کو آگے بڑھایا جائے..... ہوں؟''

وہ معاندانہ نظر سے مجھے گھور کر رہ گیا۔

''یور آنر!'' میں نے جج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''جس پولیس کی مہربانی سے آج میرا موکل ملزموں والے کٹہرے میں کھڑا ہے، اس پولیس کی شرمناک کارکردگی کا بھانڈا اب عدالت پھوٹ چکا ہے۔ اگر چند لمحات کے لیے یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ لاپتا زرینہ نے اپنے شوہر یعنی میرے موکل کے خلاف کوئی رپورٹ درج کرائی تھی تو پولیس کا یہ فرض بنتا تھا کہ وہ چاند میاں کو تھانے بلا کر باز پرس کرتی۔ پولیس کو اپنی ذمے داری نبھانے کی توفیق تو ہوئی نہیں، الٹا ایک ہفتے کے بعد جب وہ اپنی بیوی کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوانے تھانے پہنچا تو اسے بیوی کو غائب کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا اور خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ میرے موکل نے اپنی بیوی زرینہ کو ٹھکانے لگانے کے بعد اس کی لاش کو کہیں چھپا دیا ہے یا کہیں دبا دیا ہے اور یا پھر سمندر برد کر دیا ہے۔'' میں سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوا پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! پولیس کی ناقص بلکہ مجرمانہ غفلت پر مبنی کارکردگی پر ہمیشہ سوال اٹھتے رہے ہیں اور اگر اس محکمے نے ہوش کے ناخن نہ لیے اور اپنا قبلہ درست کرنے کی کوشش نہ کی تو آئندہ بھی ایسے افسوسناک سوالات کے اٹھنے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ معزز عدالت سے میری درخواست ہے کہ میرے موکل پر رحم کیا جائے۔ اپنی بیوی کی گمشدگی میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں۔ اس معصوم اور سادہ دل انسان کو کسی گہری سازش کے تحت اس معاملے میں ملوث کیا گیا ہے..... دیٹس آل یور آنر!''

جج نے سوالیہ نظر سے وکیل استغاثہ کی جانب دیکھا اور پوچھا۔ ''کیا ملزم پر آپ کی جرح مکمل ہو چکی ہے؟''

''یس سر!'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اب میں استغاثہ کی گواہ سفینہ کو پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔''

''اجازت ہے۔'' جج نے ہاتھ سے مخصوص اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سفینہ، لاپتا زرینہ کی بڑی بہن تھی۔ استغاثہ کی فرمائش پر وہ وٹنس باکس میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ اپنے شوہر افتخار حسین کے ساتھ عدالت آئی تھی۔ افتخار حسین اس وقت کمرائے عدالت میں موجود تھا۔ انکوائری آفیسر کے مطابق، وقوعہ سے ایک ہفتہ پہلے زرینہ اسی افتخار حسین کے ہمراہ اپنے شوہر یعنی میرے موکل اور اس مقدمے کے ملزم چاند میاں کے خلاف رپورٹ درج کرانے متعلقہ تھانے پہنچی تھی۔

سفینہ کی عمر بتیس سال تھی۔ اس کی شادی کو لگ بھگ پانچ سال ہو گئے تھے۔ افتخار حسین سے اس کی دو اولادیں تھیں۔ چار سالہ راشد اور دو سالہ حنا۔ افتخار حسین کی پرائیویٹ جاب تھی۔ وہ لوگ گلشن اقبال میں رہتے تھے۔

www.zemtime.com

سفینہ اپنا بیان ریکارڈ کرا چکی تو وکیل استغاثہ جرح کے لیے وٹنس باکس کے نزدیک چلا گیا اور بڑے دھیمے انداز میں استفسار کیا۔ ''کیا یہ درست ہے کہ گمشدہ زرینہ اکثر آپ سے ملزم کی شکایات کرتی رہتی تھی۔ وہ اپنی شادی شدہ زندگی سے خوش نہیں تھی؟''

''جی، یہ صحیح ہے۔'' گواہ نے اثبات میں جواب دیا۔

''آپ نے اپنی چھوٹی بہن کی مشکل کو حل کرنے کے لیے کیا اقدامات کیے تھے؟''

''سچ پوچھیں تو میں زرینہ کے لیے کچھ خاص نہیں کر پائی تھی اور اس کا بھی ایک سبب ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''یہ شادی زرینہ نے اپنی مرضی بلکہ اپنی ضد سے کی۔ میں اس شادی کے حق میں بالکل نہیں تھی۔ ان دونوں کی عمروں کا تفاوت میرے ذہن میں کھٹکتا رہتا تھا۔ بہرحال، ان کی شادی ہوگئی اور کچھ ہی عرصے کے بعد دونوں میں اختلافات کا سلسلہ بھی چل نکلا۔ زرینہ نے چونکہ اس شادی کے ذیل میں من مانی کی تھی اس لیے چند ماہ تک وہ اپنے مسائل کی پردہ پوشی کرتی رہی لیکن جب پانی سر سے اونچا ہونے لگا اور سانس لینا دشوار ہوگیا تو سب کچھ کھل کر سامنے آگیا۔ آپ نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ملزم کی فطرت اور عادات و اطوار کے حوالے سے جو کچھ کہا، وہ صد فیصد درست ہے۔'' پھر وہ اکیوزڈ باکس میں کھڑے ملزم کی جانب انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے نفرت انگیز لہجے میں بولی۔ ''اس جنگلی کے ساتھ گزارہ کرنا کسی انسان کے لیے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ کاش زرینہ نے میرا مشورہ مان لیا ہوتا تو آج اسے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔'' لمحاتی توقف کرکے اس نے ایک بوجھل سانس خارج کی پھر گلوگیر آواز میں اضافہ کردیا۔

''پتا نہیں میری بہن اس وقت کہاں ہوگی، کس حال میں ہوگی اور..... معلوم نہیں اس شیطان نے اس معصوم کے ساتھ..... کیا کیا ہے..... زرینہ زندہ بھی ہے یا.....؟''

''آپ نے.....'' استغاثہ کی گواہ قدرے سنبھلی تو وکیل استغاثہ نے سوال کیا۔ ''گمشدہ زرینہ کو کیا مشورہ دیا تھا؟''

''یہی کہ پہلی فرصت میں اس درندے سے چھٹکارا حاصل کرلے۔'' وہ خونخوار انداز میں اپنے بہنوئی کو گھورتے ہوئے بولی۔ ''میرا مشورہ ٹھیک سے زرینہ کی سمجھ میں بیٹھ نہیں سکا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ اس آپشن پر غور کرے گی۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں زرینہ کے حالات سے مطمئن نہیں ہوں کیونکہ وہ مجھے واضح طور پر بتا چکی تھی کہ اس کی جان کو خطرہ ہے چنانچہ میرے ایما پر افتخار حسین اس کے ساتھ پولیس اسٹیشن گیا تھا اور زرینہ نے دس جولائی کو وہ رپورٹ درج کرائی تھی جس کا تھوڑی دیر پہلے عدالت میں ذکر کیا گیا ہے۔''

''دیٹس آل یور آنر!'' وکیل استغاثہ نے فاتحانہ انداز میں کہا۔ ''مجھے گواہ سے اور کچھ نہیں پوچھنا۔''

اپنی باری پر میں وٹنس باکس کے نزدیک چلا گیا اور سفینہ کی جانب دیکھتے ہوئے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔ ''آپ کی بہن کی پراسرار گمشدگی اگرچہ اس وقت ایک معما بنی ہوئی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ زرینہ جہاں بھی ہوگی، بہ خیر و عافیت ہی ہوگی۔ میں امید کرتا ہوں کہ بہت جلد میں اسے بازیاب کرنے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔''

''اس فارمیلیٹی کا شکریہ۔'' وہ ایک دم روکھے پھیکے لہجے میں بولی۔

''آپ کتنے بہن بھائی ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''صرف دو بہنیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں اور زرینہ..... پتا نہیں وہ بے چاری کس حال میں ہوگی۔''

بات کے اختتام پر اس کی آواز بھیگ گئی تھی۔ ''اللہ خیر کرے گا۔'' میں نے تسلی بھرے لہجے میں کہا اور استفسار کیا۔ ''مطلب یہ کہ تم لوگوں کا کوئی بھائی نہیں ہے؟''

میں ایک خاص موڑ پر لانے کے لیے اس سے ہلکے پھلکے، اپنائیت بھرے سوالات کررہا تھا۔ اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''جی نہیں اور..... والدین بھی کافی عرصہ پہلے اللہ کو پیارے ہوچکے۔''

''ایسا کہنا غلط نہیں ہوگا کہ زرینہ کے لیے اس دنیا میں آپ ہی اس کی بہن، آپ ہی اس کا بھائی، آپ ہی اس کے والدین اور آپ ہی اس کا سب کچھ تھیں۔'' میں نے لاپتا زرینہ کی ہمشیرۂ کلاں کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ آپ پر سب سے زیادہ بھروسا کرتی تھی اور اپنی چھوٹی بڑی مشکلات کا وہ آپ ہی سے ذکر کیا کرتی تھی خصوصاً، شادی کے بعد کی زندگی کے حوالے سے؟''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' اس نے گول مول جواب دیا۔

''چند منٹ پہلے آپ نے وکیل استغاثہ کے سوالات کے جواب میں معزز عدالت کو بتایا ہے کہ زرینہ کی زبانی آپ کو پتا چلا تھا کہ ملزم ایک بدمزاج، جنگلی، کمینہ فطرت، شکی طبیعت کا مالک، غصہ ور، جھگڑالو..... وغیرہ ہم تھا!'' میں نے سفینہ کے چہرے پر نگاہ گاڑ کر کہا۔ ''کیا کبھی زرینہ نے

www.zemtime.com

آپ کے سامنے اپنے شوہر کی تعریف بھی کی تھی؟''

وہ جز بز ہوتے ہوئے بولی۔ ''مجھے یاد نہیں پڑتا۔''

''کوئی بات نہیں۔ آپ یاد کرنے کے لیے اپنے دماغ پر زور نہ ڈالیں۔'' میں نے معتدل انداز میں کہا اور پوچھا۔ ''کیا زرینہ نے کبھی آپ سے ملزم کی کسی ایسی عادت کا ذکر کیا جسے نفسیاتی عارضے یا ذہنی بیماری کے فریم میں فٹ کیا جاسکتا ہو۔ مثلاً کوئی ایسا عمل جس پر ملزم کا اختیار نہ ہو اور وہ اپنی بے خبری میں وہ فعل یا حرکت کر جاتا ہو؟''

''جی بالکل!'' وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولی۔ ''ملزم کے ساتھ ایسی ایک میڈیکل پرابلم ہے۔''

''معزز عدالت ملزم کی اس پرابلم کے بارے میں جاننا چاہتی ہے۔'' میں نے ٹھوس انداز میں کہا۔ ''اور میں بھی اپنے مؤکل کی اس بیماری کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس کے علاج کا کوئی شافی بندوبست کیا جاسکے۔ سو..... پلیز!'' میں نے اپنی بات مکمل کر کے منتظر نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''زرینہ نے مجھے بتایا تھا کہ چاند میاں کو نیند میں چلنے کی عادت ہے۔'' سفینہ نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''یہ رات کو اٹھ کر کچن، واش روم اور لاؤنج وغیرہ میں چکراتا رہتا ہے۔ کبھی وہ فریج کھول کر کچھ کھا پی بھی لیتا ہے۔ اپنے شوہر کی ایسی اوٹ پٹانگ حرکتوں سے زرینہ کو کوئی تکلیف نہیں تھی مگر جب اگلی صبح بیدار ہونے کے بعد زرینہ اس حوالے سے اس سے استفسار کرتی تو وہ صاف مکر جاتا تھا۔ اس کی دانست بلکہ یادداشت کے مطابق اس نے کبھی ایسا کچھ کیا ہی نہیں تھا۔ زرینہ اسے چاند میاں کی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی سمجھتی لہٰذا دونوں میں بحث اور تکرار شروع ہوجاتی لیکن جب سے میں نے زرینہ کو سمجھایا تھا اس کے بعد سے اس ایشو پر ان کے بیچ جھگڑا نہیں ہوا تھا۔''

''آپ نے.....'' میں نے ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔ ''اپنی چھوٹی بہن کو ایسا کیا سمجھا دیا تھا؟''

چاند میاں سے تفصیلی ملاقات میں مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اسے نیند میں چلنے کی عادت ہے۔ میں ایک خاص مقصد سے سفینہ کو اس زاویے سے کھس رہا تھا۔

''میں نے زرینہ کو بتایا کہ.....'' سفینہ نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا۔ ''نیند میں چلنا ایک دماغی مسئلہ ہے اور اس عارضے میں مبتلا شخص کو بیدار ہونے کے بعد کچھ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس چلت پھرت کے دوران میں وہ کیا کیا کرتا رہا ہے۔''

''آپ ایک ذہین اور صاحب علم خاتون ہیں۔'' میں نے ستائشی نظر سے وٹنس باکس میں کھڑی استغاثہ کی معزز گواہ اور میرے مؤکل کی اکلوتی سالی سفینہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس لیے مجھے آپ سے اور کچھ نہیں پوچھنا۔ تھینک یو فار یور ٹائم کو آپریشن۔''

وہ الجھن زدہ نظر سے کبھی مجھے اور کبھی وکیل استغاثہ کی جانب دیکھنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں نے اس کے کون سے تعاون کا شکریہ ادا کیا ہے۔ قبل اس کے کہ وکیل سرکار کچھ کہتا، میں نے اپنا روئے سخن جج کی طرف موڑتے ہوئے بولنا شروع کر دیا۔

''یور آنر! استغاثہ کی گواہ اور لاپتا زرینہ کی بڑی بہن نے معزز عدالت کے روبرو اس امر کی تصدیق کی ہے کہ میرا مؤکل اور اس کیس میں نامزد ملزم چاند میاں ''سوم نمبولزم'' نامی دماغی عارضے میں مبتلا ہے جسے سادہ زبان میں ''سلیپ واکنگ'' کہا جاتا ہے۔ مزید آسانی کے لیے اسے ''نیند میں چلنے کی عادت'' کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ اس مرض کا شکار انسان جب سوتے میں سے اٹھ کر مختلف قسم کی حرکات وسکنات سے گزرتا ہے تو میموری سسٹم اس کی پرفارمنس کو اپنے پاس ریکارڈ نہیں کرتا، یہی وجہ ہے کہ سوم نمبولزم کے مریض کو بیداری کے بعد یہ یاد نہیں رہتا کہ نیند میں چلنے کے دوران میں وہ کیا کیا کرتا رہا ہے۔'' لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک آسودہ سانس خارج کی پھر اپنے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''عین ممکن ہے کہ وقوعہ کی رات زرینہ اپنی مرضی سے کہیں چلی گئی ہو اور رات کے کسی حصے میں ملزم کو نیند میں چلنے کا دورہ پڑا ہو۔ اسی ٹرانس ایسی کیفیت میں میرے مؤکل نے اپنے فلیٹ کے داخلی دروازے کی کنڈی کھلی دیکھی ہو۔ روزمرہ کی عادت کے مطابق اس نے دروازے کی کنڈی اور تالا وغیرہ لگایا اور دوبارہ بیڈ پر آکر سو گیا ہو۔ اگلی صبح جب یہ بیدار ہوا تو اس نے اپنی بیوی زرینہ کو غائب پایا۔ داخلی دروازے کا تالا اور کنڈی بند دیکھ کر اس کا دماغ گھوم گیا ہو..... یہ ایک روشن اور ٹھوس امکان ہے جسے یکسر رد کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی نظر انداز.....!''

''بالکل..... کیوں نہیں۔'' وکیل استغاثہ نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''آپ کے سمبالازم کا توڑ ہے ہمارے پاس۔''

''سمبا لازم نہیں، سوم نمبولزم.....!'' میں نے تصحیح کرنے والے انداز میں کہا۔

''ہاں، ہاں۔ وہی۔'' وہ خجالت آمیز انداز میں

www.zemtime.com

گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''آپ نے جس بات کے لیے ''عین ممکن'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں، اس کی مکمل وضاحت کے لیے استغاثہ آئندہ پیشی پر ''غین ممکن، فے ممکن اور گاف ممکن'' کے ہتھیار استعمال کرے گا لہٰذا خوب تیاری کر کے آیئے گا میرے فاضل دوست!''

''مخالفین کے اوچھے ہتھکنڈوں سے نمٹنے کے لیے میں ہر وقت تیار ہی رہتا ہوں وکیل صاحب!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ترکی بہ ترکی کہا۔ ''لیکن ابھی آپ نے جو مہمل الفاظ استعمال کیے ہیں، اگر ان کے معانی سمجھا دیں تو نوازش ہوگی۔''

میرے لہجے کی کاٹ سے وہ تلملا کر رہ گیا۔ ''آپ ان الفاظ کو بے کار، بے معنی اور بے ہودہ نہ سمجھیں۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''یہ آپ کو اور آپ کے مؤکل کو بہت بھاری پڑنے والے ہیں۔'' اس نے ڈرامائی انداز میں توقف کر کے تمسخرانہ انداز میں مجھے گھورا پھر اس کی زبان نے یہ زہر اگل دیا۔

''غین ممکن کا مطلب ہے عینی شاہد ''غفور خان''..... فے ممکن کا مطلب ہے ''فوٹو گرافس'' اور..... گاف ممکن کا مطلب ہے ''گلا گھونٹنا''..... کچھ سمجھ میں آیا یا پہلے سے موجود بھی گیا؟''

وکیل استغاثہ کی وضاحت نے معاملے کو سلجھانے کے بجائے اور بھی الجھا دیا تھا۔ قبل اس کے کہ میں اس سے مزید کوئی سوال کرتا، عدالت کا مقررہ وقت ختم ہوگیا۔

جج نے اگلی تاریخ دے کر عدالت برخاست کردی۔

میں کمرائے عدالت سے نکلا اور جیل وین کی جانب بڑھ گیا۔ بس نما اس گاڑی کو تکنیکی زبان میں ''پریزن وین'' کہا جاتا ہے جو قیدیوں کو جیل سے عدالت اور عدالت سے جیل لانے، لے جانے کی ''خدمات'' انجام دیتی ہے۔ دراصل میں اپنے مؤکل سے چند اہم باتیں کرنا چاہتا تھا۔ چاند میاں مجھے وین کے نزدیک ہی ایک پولیس والے کے ساتھ مل گیا۔ اس کی ہتھکڑی کے ساتھ بندھی ہوئی آہنی زنجیر کا دوسرا سرا مذکورہ پولیس والے کی گرفت میں تھا۔

''جناب! کب تک روانگی کا پروگرام ہے؟'' میں نے پولیس والے کے قریب جا کر دوستانہ انداز میں پوچھا۔

''تین قیدی اور ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''وہ آجائیں تو پھر ہم نکل جائیں گے۔''

''مطلب..... آدھا گھنٹا لگ سکتا ہے؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں، تقریباً اتنا وقت تو لگے گا۔'' اس نے سرسری انداز میں کہا پھر کریدنے والے انداز میں استفسار کیا۔ ''مگر آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''مجھے صرف دس منٹ چاہئیں۔'' اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے میں نے اپنی جیب سے پچاس روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''میں اپنے مؤکل سے تنہائی میں دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میرے خیال میں اتنے مختصر سے وقت کے لیے یہ معاوضہ کافی پُرکشش ہے۔''

اس زمانے کے پچاس روپے آج کے ایک ہزار سمجھ لیں۔ تب پولیس والوں کو رشوت کی رقم وصول کرتے ہوئے قطعاً یہ ڈر و خوف نہیں ہوا کرتا تھا کہ کوئی شخص اپنے موبائل فون سے ان کی اس ''کارکردگی'' کی ویڈیو بنا کر سوشل میڈیا پر چڑھا دے گا۔ اس کے باوجود بھی اس پولیس اہلکار نے چوکنا نظر سے دائیں بائیں دیکھا اور پچاس کے نوٹ کو اپنی جیب میں ٹھونسنے کے بعد بڑے اطمینان سے بولا۔

''ٹھیک ہے وکیل صاحب! آپ قیدی سے بات کرلیں۔''

''شاید آپ نے میری بات پر غور نہیں کیا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے عرض کیا تھا کہ مجھے اپنے مؤکل سے تنہائی میں دو باتیں کرنا ہیں۔''

چند لمحات تک تذبذب کا شکار رہنے کے بعد اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''میں قیدی کو آپ کے پاس چھوڑ کر دور نہیں جاسکتا۔ آپ ایسا کریں کہ اپنے مؤکل کو لے کر گاڑی کے اندر بیٹھ جائیں۔ میں دروازے کے پاس کھڑا ہوجاتا ہوں۔ آپ نے قیدی سے جو بھی پوچھنا ہے، جلدی سے پوچھ لیں۔ میں آپ کو دس منٹ سے زیادہ نہیں دے سکتا۔''

میں نے کانسٹیبل کی پیشکش نما تجویز پر صاد کیا اور چاند میاں کے ساتھ پریزن وین کے اندر جا بیٹھا اور اپنے بیگ میں سے وہ فوٹو نکال لی جو نبیل نامی کوئی نامعلوم شخص میری سیکریٹری بشریٰ کو دے گیا تھا۔

''اس بندے کے بارے میں کیا جانتے ہو؟'' میں نے مذکورہ فوٹو چاند میاں کو دکھاتے ہوئے پوچھا۔

''اس کا نام نبیل احمد ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اسے کیا ہوا ہے؟''

میں نے چاند میاں کے سوال کا جواب دینا ضروری نہ جانا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے استفسار کیا۔ ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نبیل احمد کو اچھی طرح جانتے ہو؟''

www.zemtime.com

جو بندہ میرے آفس میں یہ فوٹو دے کر گیا تھا، اس نے اپنا نام نبیل بتایا تھا لیکن جب میں نے اپنی سیکریٹری سے اس شخص کے حلیے کے حوالے سے پوچھ تاچھ کی تو پتا چلا کہ وہ فوٹو اس کا نہیں تھا۔ بہرحال، یہ فوٹو اسی پراسرار شخص کا تھا جو چند روز پہلے عدالت کے کوریڈور میں مجھ سے ملا تھا اور اس نے بڑے عجیب مگر پُراعتماد انداز میں مجھے چیلنج کیا تھا۔ ایک بات تو طے ہوگئی کہ فوٹو میں نظر آنے والا اور مجھ سے کوریڈور میں ملاقات کرنے والا بندہ ایک ہی تھا یعنی..... نبیل احمد!''

''میں اس کے بارے میں بہت زیادہ تو نہیں جانتا بس اتنا معلوم ہے کہ اس کا تعلق لاڑکانہ سے ہے۔'' چاند میاں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔ ''اور یہ میرے اسٹوڈیو کے پیچھے والے کمرے یعنی ہماری بلڈنگ کے گراؤنڈ فلور پر رہتا ہے۔ اسے ایکٹنگ کا شوق ہے۔''

''تمہارے نبیل کے ساتھ کیسے تعلقات ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''زیادہ میل ملاقات تو نہیں۔ بس آتے جاتے سلام دعا ہوجاتی ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''مگر آپ نبیل کے بارے میں اتنا کرید کر کیوں پوچھ رہے ہیں وکیل صاحب! سب خیریت تو ہے نا؟''

میں چاند میاں سے یہ تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ اسی نبیل احمد نے چند روز قبل عدالت کے کوریڈور میں اس کی بیوی زرینہ کو موت کے گھاٹ اتارنے کا دعویٰ کیا تھا اور وہ بھی اس چیلنج کے ساتھ کہ میں اسے قاتل ثابت نہیں کرسکوں گا۔

''ہاں، خیریت ہی ہے۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''فکر والی کوئی بات نہیں۔ تم نے بتایا کہ نبیل کو ایکٹنگ کا شوق ہے۔ مجھے بتاؤ، یہ بندہ کس قسم کی ایکٹنگ کرتا ہے؟ میرا مطلب ہے ٹی وی، اسٹیج یا پھر فلم وغیرہ؟''

''نہیں وکیل صاحب! ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نبیل دراصل لیاقت علی کے گاؤں ہی کا ہے۔ دونوں کا تعلق لاڑکانہ سے ہے اسی لیے لیاقت علی نے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا ہے۔ ابھی تک اس کے پاس باقاعدہ کوئی جاب نہیں ہے۔ قسمت آزمائی میں لگا ہوا ہے کہ اسے کسی بھی فیلڈ میں اداکاری کا چانس مل جائے۔''

ایک لمحے کا توقف کرنے کے بعد اس نے الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا اور قدرے فکرمندی سے بولا۔ ''نبیل کی فوٹو آپ کے پاس کہاں سے آگئی وکیل صاحب؟''

''وہ بات دراصل یہ ہے کہ.....'' میں نے چاند میاں کی فراہم کردہ معلومات کا ڈھنگ سے استعمال کرتے ہوئے کہا۔ ''کل شام میں یہ بندہ میرے آفس آیا تھا اور اسی نے مجھے یہ فوٹو دی ہے۔ کہہ رہا تھا کہ اگر پروڈکشن کی فیلڈ میں میرا کوئی جاننے والا ہو تو میں کام کے سلسلے میں اس کی سفارش کردوں۔''

''کیا واقعی نبیل احمد کل شام میں آپ کے آفس آیا تھا؟'' چاند میاں نے بے یقینی سے مجھے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''ہاں، بالکل۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''میں بھلا جھوٹ کیوں بولوں گا۔''

''اس کا مطلب ہے وہ لاڑکانہ نہیں گیا بلکہ کراچی ہی میں ہے۔'' وہ پُرخیال انداز میں بولا۔

''تو کیا نبیل احمد کو اس وقت لاڑکانہ میں ہونا چاہیے تھا؟'' میں نے چونکے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

''زرینہ کی گمشدگی سے ایک روز پہلے نبیل احمد اپنے گاؤں چلا گیا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''میں بھی کتنا بے وقوف ہوں نا وکیل صاحب! جس روز میں زرینہ کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرانے تھانے گیا تھا اس کے بعد سے تو میں مسلسل زیرِ حراست ہی ہوں۔ پہلے پولیس کسٹڈی میں تھا اور اب جیل کسٹڈی میں ہوں۔ ظاہر ہے نبیل احمد اگر اپنے گاؤں گیا تھا تو واپس بھی آیا ہوگا۔ ویسے مجھے تو یہ بندہ ٹھیک ہی لگتا ہے۔ اگر شوبز کی دنیا میں آپ کی کوئی جان پہچان ہو تو اس کی سفارش کردیجیے گا۔''

ان لمحات میں، میں بالکل یہ اندازہ نہ لگا سکا کہ چاند میاں واقعتاً اتنا سادہ ہے یا نبیل احمد کی ذات کے حوالے سے وہ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کررہا تھا۔ بہرحال میں نے معتدل انداز میں کہا۔

''کیوں نہیں، ضرور۔ میں شوبز سے تعلق رکھنے والے کئی اہم افراد کو جانتا ہوں۔ میں ضرور نبیل کے لیے بات کروں گا۔ آپ سے پوچھنے کا مقصد بھی یہی تھا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ طارق روڈ کے کمرشل ایریا میں ''چاند فوٹو اسٹوڈیو'' والی بلڈنگ میں رہتا ہے۔ میں نے سوچا اس کی سفارش کرنے سے پہلے آپ سے پوچھ لوں کہ یہ بندہ کیسا ہے۔''

وہ میری وضاحت سے مطمئن ہوتے ہوئے بولا۔ ''ہاں، بندہ تو ٹھیک ہی ہے۔ وہ آٹھ دس ماہ سے لیاقت علی کے ساتھ رہ رہا ہے۔ میں نے اس میں کوئی خرابی نہیں دیکھی۔''

''آپ نے لیاقت علی کا پہلے بھی ذکر کیا ہے۔'' میں نے کریدنے والے انداز میں کہا۔ ''یہ شخص کراچی میں رہ کر کیا کررہا ہے؟ میرا مطلب ہے اس کی جاب کی نوعیت کیا ہے؟''

www.zemtime.com

قبل اس کے کہ چاند میاں میرے سوال کا جواب دیتا، وین سے باہر کھڑے کانسٹیبل نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بہ آوازِ بلند کہا۔ ”وکیل صاحب! آپ نے دس منٹ کا کہا تھا اور بارہ منٹ گزر چکے ہیں۔“

”اوکے! میں وین سے باہر آرہا ہوں۔“ میں نے بھی کانسٹیبل کو اونچی آواز میں جواب دیا پھر سوالیہ نظر سے چاند میاں کی طرف دیکھا۔

”لیاقت علی ایک اسٹوڈنٹ ہے وکیل صاحب!“ اس نے جواب دیا۔ ”وہ میڈیکل کالج میں سیکنڈ ایئر میں پڑھتا ہے۔“

میں نے سر کو اثباتی جنبش دینے کے بعد چاند میاں کا کندھا تھپتھپایا اور تسلی و تشفی کے کلمات ادا کرنے کے بعد پریزن وین سے باہر نکل آیا۔

☆☆☆

چاند میاں سے ہونے والی اس مختصر سی ملاقات نے میری سوچ نگری میں کئی ایک نئی کھڑکیاں کھول دی تھیں۔ کیا نبیل احمد نامی وہ ایکٹنگ کا شوقین شخص واقعتاً اتنا ہی جرأت مند احمق تھا کہ لاپتا زرینہ والی بلڈنگ کا رہائشی ہونے کے باوجود بھی وہ عدالت میں آکر مجھ سے کہہ گیا تھا کہ.....

”زرینہ کو میں نے موت کے گھاٹ اتارا ہے مگر آپ مجھے قاتل ثابت نہیں کرسکو گے۔“

یہ تو جیتے جی خود کو موت کے حوالے کرنے والا معاملہ تھا اور کوئی بھی ذی ہوش شخص ایسی سفاک اور مہلک غلطی کبھی نہیں کرسکتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی شاطر دماغ انسان نبیل کو سامنے رکھ کر ایک گھناؤنا کھیل کھیلنے میں مصروف تھا۔ میری اس سوچ کو اس بات سے بھی تقویت ملتی تھی کہ جو بندہ میرے آفس میں آکر میری سیکریٹری بشریٰ کو نبیل کی تصویر دے گیا تھا، اس نے بشریٰ کو اپنا نام نبیل ہی بتایا تھا جبکہ وہ نبیل نہیں، کوئی اور شخص تھا۔

یہ کیس بظاہر جتنا سیدھا اور آسان دکھائی دیتا تھا، ویسا تھا نہیں۔ زرینہ کی پراسرار گمشدگی کے نتیجے میں اس کا شوہر اور میرا موکل چاند میاں قید و بند کی صعوبتوں کی نذر ہو چکا تھا لیکن پردے کے پیچھے بیٹھا ہوا جو شخص نبیل احمد کا استعمال کر رہا تھا، اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ نبیل کو اس کیس میں پھنسا کر چاند میاں کو باعزت بری کرانے کی خفیہ مہم میں لگا ہوا تھا۔ میری وکالت کا مطمحِ نظر بھی یہی تھا کہ میں ملزم چاند میاں کو بے گناہ ثابت کرکے اس بکھیڑے سے نکالنا چاہتا تھا۔ ایک لحاظ سے میرا اور نامعلوم پردہ نشین کا مقصد ایک ہی تھا کہ ہم دونوں چاند میاں کو اس کیس سے نکالنا چاہتے تھے لیکن دوسرے لحاظ سے ہماری منزل ایک نہیں تھی یعنی میں چاند میاں کو پھانسی کے پھندے سے بچا کر وہاں کسی اور شخص کی گردن کو فکس کرنے کا خواہاں ہرگز نہیں تھا جبکہ وہ پردہ نشین نبیل احمد کو سزائے موت دلوانے کے حق میں نظر آتا تھا۔

میں نے آئندہ پیشی سے پہلے چند ضروری کام کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ نمبر ایک، آج ہی رات مجھے چاند میاں والی بلڈنگ کا وزٹ کرنا تھا تاکہ گراؤنڈ فلور پر رہائش پذیر مستقبل کے ڈاکٹر لیاقت علی سے ایک بھرپور ملاقات کرسکوں۔ اگرچہ چاند میاں نے بتایا تھا کہ نبیل احمد گاؤں سے واپس آچکا ہوگا لیکن تازہ ترین صورتِ حال کی روشنی میں مجھے بالکل امید نہیں تھی کہ میرا نبیل سے سامنا ہوسکے گا۔ جو بندہ میرے روبرو کھڑے ہوکر زرینہ کو قتل کرنے کا فخریہ اقرار کرچکا ہو، وہ مبینہ مقتولہ (زرینہ) کی رہائش گاہ کے نزدیک پھٹک بھی نہیں سکتا تھا۔ نمبر دو، مجھے اس بلڈنگ کی مکانیت کا باریک بینی سے جائزہ لینا تھا اور اس بات کا پتا لگانا تھا کہ آیا بیرونی دروازہ لاک ہونے کی صورت میں فلیٹ سے باہر جانے کا کوئی اور راستہ بھی موجود ہے؟ اگرچہ میرے موکل اور انکوائری آفیسر کے بیان کے مطابق مذکورہ فلیٹ میں آمد و شد کا صرف ایک ہی راستہ تھا یعنی فلیٹ کا داخلی دروازہ جو کہ لاک پایا گیا تھا لیکن پھر بھی معائنہ بہت ضروری تھا۔ چاند میاں والے فلیٹ کو تو اس واقعے کے بعد پولیس نے سیل کردیا تھا مگر فرسٹ اور سیکنڈ فلورز کے فلیٹس مکانیت کے لحاظ سے ایک ہی جیسے تھے اس لیے میں سیکنڈ فلور والے فلیٹ کو دیکھ کر فرسٹ فلور یعنی چاند میاں والے فلیٹ کو ”سمجھ“ سکتا تھا۔ نمبر تین، کسی ماہر اور پیشہ ور آرٹسٹ کو بشریٰ کے ساتھ بٹھا کر میں اس شخص کا اسکیچ بنوانا چاہتا تھا جو میرے آفس میں نبیل کی پوسٹ کارڈ سائز تصویر دے گیا تھا اور اس نے بشریٰ کو اپنا نام نبیل بتایا تھا۔ اس دروغ گو اور عیار شخص کے خال و خد بشریٰ کے ذہن میں محفوظ تھے۔ وہ اس بندے کو کوئی پہنچا ہوا جوتشی سمجھ بیٹھی تھی اور مستقبل قریب میں وہ اس سے اپنا زائچہ بنوانے کے خواب دیکھ رہی تھی۔

ہر انسان اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق حالات و واقعات کے تناظر میں سوچتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ آنے والا وقت بھی اس کا ہم رکاب ہو۔ اس روز جب میں اپنے آفس پہنچا تو بشریٰ نے میرے چیمبر میں آکر ایک ساتھ کئی انکشاف کرڈالے۔

”سر! آپ کے دوست بہت اچھے انسان ہیں۔ انہیں

www.zemtime.com

آپ کا بڑا خیال ہے۔ وہ آپ کی پریشانی کو ختم کرنے کے لیے یہ دے گئے ہیں۔'' اس نے ایک بند لفافہ میری جانب بڑھایا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ آئندہ ملاقات میں وہ میرا تفصیلی زائچہ بنا کر ماضی، حال اور مستقبل کو کھول کر بیان کر دیں گے۔''

''بیٹھ جائیں۔'' میں نے بشریٰ کے ہاتھ سے وہ لفافہ لیتے ہوئے سپاٹ آواز میں کہا اور پوچھا۔ ''کیا نبیل آیا تھا؟''

''یس سر!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''میں انہی کا ذکر تو کر رہی ہوں۔ یہ لفافہ وہی دے کر گئے ہیں۔''

''نبیل کا چہرہ تو آپ کے ذہن میں نقش ہو چکا ہوگا؟'' میں نے لفافے کو دراز میں ڈالنے کے بعد بشریٰ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''اس کے کان، ہونٹ، ٹھوڑی، گال، پیشانی، آنکھیں، ناک اور اس کا ہیئر اسٹائل وغیرہ؟''

''جی سر!'' وہ جلدی سے بولی۔ ''یہ سب مجھے اچھی طرح یاد ہے۔''

''بس، تو پھر یہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ کل آفس کی چھٹی نہیں ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''عموماً ہم اس روز آفس بند رکھتے ہیں لیکن کل ایک بہت ہی ضروری کام کرنا ہے لہٰذا میں، آپ اور کامران ہی آفس آئیں گے اور اس اہم کام کو دو تین گھنٹے میں نمٹانے کے بعد واپس اپنے گھروں کو چلے جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے سر! میں آجاؤں گی۔'' بشریٰ نے کہا۔ ''میں کتنے بجے تک آفس پہنچ جاؤں؟''

''اپنے روٹین ٹائم پر آجائیں۔'' میں نے کہا۔

دراصل میرے جاننے والوں میں ایک بہت اچھا آرٹسٹ تھا جو تھا تو بڑا موڈی لیکن مجھے جب بھی کبھی اس سے کام پڑا، اس نے منع نہیں کیا تھا۔ اس کا نام شاہد حسین تھا۔ اس کا تعلق تو لاہور سے تھا لیکن وہ سالہا سال سے کراچی میں مقیم تھا اور ہر لحاظ سے کراچوی ہو چکا تھا۔ وہ ایک معروف آرگنائزیشن کے لیے کام کرتا تھا اور فری ہینڈ اسکیچنگ میں اسے مہارت حاصل تھی۔ میں بشریٰ کی یادداشت کے سہارے شاہد حسین سے اس شخص کا اسکیچ بنوانا چاہتا تھا جسے بشریٰ کوئی ماہر علم نجوم اور میرا دوست سمجھتی تھی۔

''اگر میں غلط نہیں سوچ رہی تو.....'' بشریٰ نے ٹٹولنے والی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے اظہارِ خیال کیا۔ ''کل اس آفس میں نبیل صاحب سے میری ملاقات ہونے والی ہے۔''

اس باؤلی کی سوئی جیسے ''نبیل'' پر اٹک کر رہ گئی تھی۔ میں نے گول مول جواب دیا۔ ''ہاں، بالکل..... ایسا ہو سکتا ہے۔''

''میں جانتی تھی کہ میرا اندازہ سولہ آنے درست ہوگا۔'' وہ بڑے فخر سے بولی۔

''چلیں اسی خوشی میں آپ کامران کے ہاتھ میرے لیے اچھی سی چائے بھجوا دیں۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''او کے سر'' کہتے ہوئے وہ میرے چیمبر سے نکل گئی۔

میں نے بشریٰ سے کسی قسم کی غلط بیانی نہیں کی تھی۔ نبیل نام سے بشریٰ سے متعارف ہونے والا وہ چالباز شخص بہ نفسِ نفیس نہ سہی مگر شاہد حسین کی پیشہ ورانہ مہارت کے طفیل ڈرائنگ شیٹ پر تو نمودار ہونے ہی والا تھا۔

چائے پینے کے دوران میں نے اپنی میز کی دراز میں سے وہ لفافہ نکال لیا جو مردِ مذکور آج بشریٰ کو تھما گیا تھا۔ میں نے جب لفافے کو کھولا تو اس کے اندر سے بھی ایک پوسٹ کارڈ سائز کی تصویر ہی برآمد ہوئی اور اس تصویر میں ایک کے بجائے دو افراد دکھائی دے رہے تھے جن میں سے ایک مرد اور دوسری عورت تھی۔ اس فوٹو پر نگاہ پڑتے ہی میں نے مرد کو پہچان لیا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں بلکہ وہ شخص تھا جس نے عدالت کے کوریڈور میں میرے سامنے اپنے قاتل ہونے کا اقبال کیا تھا یعنی نبیل احمد، البتہ نبیل کے ساتھ تصویر میں خاصی بے تکلف اور بولڈ نظر آنے والی وہ خوب صورت عورت میرے لیے شناسا نہیں تھی۔ میں نے تصویر کو پلٹ کر دیکھا تو یک سطری تحریر نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

''میں اور میری محبوبہ زرینہ!''

اس لائن سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ راقم الحروف تصویر میں دکھائی دینے والا مرد یعنی نبیل احمد ہی تھا اور چاند میاں کی گمشدہ بیوی زرینہ کو وہ اپنی محبوبہ قرار دے رہا تھا۔ زرینہ کا نام پڑھتے ہی میرا دھیان آپوں آپ اس کیس کی فائل کی طرف چلا گیا تھا جس کے اندر گمشدہ زرینہ کی ایک چھوٹی پاسپورٹ سائز تصویر لگی ہوئی تھی تاہم اس پوسٹ کارڈ سائز تصویر میں زرینہ قدرے مختلف نظر آ رہی تھی اور کافی رومانٹک موڈ میں بھی۔

اس تصویر میں زرینہ اور نبیل کو کسی فلم کے ہیرو اور ہیروئن کے انداز میں دیکھ کر یہی سمجھ میں آتا تھا کہ چاند میاں کی لاپتا بیوی اور ایکٹنگ کے شوقین لاڑکانوی بندے میں بڑا دھانسو قسم کا عشق چل رہا تھا مگر یہ سوچ کر ذہن الجھ جاتا تھا کہ ایک عاشق اپنی معشوقہ کو قتل کیوں کرے گا؟ اور پھر خود ہی وکیلِ صفائی یعنی میرے سامنے اپنے جرم کا اقبال کیوں کرے گا؟

www.zemtime.com

اس ''کیوں'' اور اس جیسے اور کئی ''کیا، کب، کیسے اور کس لیے'' پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی تھی کہ نبیل احمد نے زرینہ کی جان نہیں لی ہو گی۔ کوئی ماسٹر مائنڈ شخص اسے زرینہ کے قتل کا ذمے دار ٹھہرانے کے لیے ایسی خطرناک چالیں چل رہا تھا۔ ابھی تک اس کا منصوبہ فول پروف نظر آ رہا تھا کیونکہ میں اس درپردہ شخص اور اس کے مقاصد کے محرکات تک رسائی حاصل نہیں کر پایا تھا لیکن مجھے اپنے آپ پر اتنا بھروسا ضرور تھا کہ آئندہ پیشی سے قبل میں اس معمے کو حل کر لوں گا۔

اس روز آفس سے واپسی کے سفر میں بشریٰ حسب معمول میرے ساتھ تھی لہٰذا میں نے مستقبل کے ڈاکٹر لیاقت علی کو آئندہ روز چیک کرنے کا فیصلہ کیا اور بشریٰ کو اس کے گھر کے نزدیک ڈراپ کرنے کے بعد آگے بڑھ گیا۔

اگلے روز عدالت کی چھٹی تھی لیکن میں علی الصباح اپنے گھر سے نکل آیا۔ میرا ٹارگٹ لیاقت علی تھا۔ میں اسے اس کے یک کمری فلیٹ پر ہی ''پکڑنا'' چاہتا تھا۔ میرا پروگرام یہ تھا کہ آج کا ناشتا ہم دونوں ایک ساتھ کریں گے اور ڈھیر ساری اہم اور سنسنی خیز باتیں بھی۔

راستے بھر بشریٰ کی کہی ہوئی ایک بات مجھے بار بار یاد آتی رہی۔ اس نے کل آفس میں تصویر والا لفافہ مجھے دیتے ہوئے نبیل کے حوالے سے کہا تھا کہ میرا وہ ''دوست'' بہت اچھا انسان ہے۔ وہ میری پریشانی ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اگر اس ''کوشش'' سے اس پراسرار بندے کی مراد یہ تھی کہ میں سمجھ جاؤں، میرے مؤکل کی حسین و جمیل بیوی زرینہ اور نبیل احمد کے بیچ طوفانی نوعیت کی محبت چل رہی تھی اور نبیل ہی نے زرینہ کو غائب کیا ہے، بہ الفاظ دیگر زرینہ نبیل کے ساتھ کہیں بھاگ گئی ہے اور اس کی گمشدگی میں چاند میاں کا کوئی ہاتھ نہیں تو پھر بہت سارے سوالات اٹھ کھڑے ہوتے تھے جن میں سب سے اہم اور خطرناک سوال یہ تھا کہ کسی بوڑھے شخص کی جوان بیوی کو بھگا لے جانے والا محبت کا متوالا عدالت پہنچ کر وکیل صفائی کے سامنے یہ دعویٰ کیوں کرے گا کہ اس نے اپنی محبوبہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے؟

''نہیں..... یہ کوئی اور ہی چکر ہے۔'' ڈرائیونگ کے دوران سر جھٹک کر میں نے خود کلامی کی۔ ''زرینہ کی گمشدگی میں چاند میاں کا ہاتھ ہے اور نہ ہی نبیل احمد نے زرینہ کو قتل کیا ہے۔ اس معاملے کو الجھانے اور پیچیدہ بنانے کے لیے دانستہ ایسے حالات پیدا کیے جا رہے ہیں لیکن میں بھی حقیقت کی تہ تک پہنچ کر ہی رہوں گا اور وہ بھی بہت جلد۔''

میں نے لیاقت علی کو سوتے سے جگایا اور جب میں نے چاند میاں کے وکیل کی حیثیت سے اپنا تعارف کرایا تو وہ ایک دم چاق و چوبند ہو گیا اور مجھے اندر آنے کو کہا۔ میں نے ایک کمرے والے اس گراؤنڈ فلور کے فلیٹ کے اندر قدم رکھتے ہوئے کہا۔

''بے حد معذرت خواہ ہوں کہ میں نے آپ کو چھٹی والے دن بھی دیر تک سونے نہیں دیا۔ بس، معاملہ ہی کچھ ایسا ہے کہ آپ سے ملاقات کے لیے مجھے اتنی صبح آنا پڑا۔''

''میں سمجھ سکتا ہوں۔'' وہ رسان بھرے لہجے میں بولا۔ ''آپ مجھے پندرہ سے بیس منٹ دے دیں۔ میں ذرا فریش ہو لوں پھر بات کرتے ہیں۔''

''آپ اطمینان سے فریش اپ ہو جائیں۔'' میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔ ''پھر ہم دونوں لبرٹی کی طرف چلیں گے اور ڈٹ کر ناشتا کریں گے۔ اسی دوران میں بات چیت بھی ہو جائے گی۔''

''ہاں۔'' اس نے سر کو اثباتی جنبش دی اور بولا۔ ''یہ ٹھیک رہے گا۔''

لیاقت علی کی عمر تیس اور چوبیس کے درمیان رہی ہو گی۔ وہ ایک درمیانہ قد، گندمی رنگت کا مالک خوش اخلاق انسان تھا۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں وہ ایک مقامی میڈیکل کالج میں سیکنڈ ایئر کا اسٹوڈنٹ تھا۔ وہ واش روم میں گھسا تو میں اس مختصر سے فلیٹ کے معائنے میں مصروف ہو گیا۔

طارق روڈ کے کمرشل ایریا میں بنی وہ گراؤنڈ پلس ٹو ٹائپ کی رہائشی عمارت تھی یعنی گراؤنڈ فلور پر یہ ایک بیڈ روم والا فلیٹ تھا جبکہ اس کے اوپر فرسٹ اینڈ سیکنڈ فلورز والے فلیٹس میں بیڈ روم کے علاوہ ایک مختصر سا لاؤنج بھی تھا جسے رہنے والوں نے ڈرائنگ روم بنا لیا تھا۔ اس عمارت کے پلاٹ کو آپ ساٹھ مربع گز تصور کر لیں۔ فرنٹ پر چونکہ چاند فوٹو اسٹوڈیو بھی تھا لہٰذا گراؤنڈ فلور والے فلیٹ میں لاؤنج / ڈرائنگ روم کی گنجائش کا سوال ہی نہیں تھا۔ فلیٹ کا اکلوتا بیڈ روم پچھلے حصے میں واقع تھا۔ داخلی دروازے سے اندر آئیں تو ایک ننھے منے اوپن کچن سے ملاقات ہوتی تھی اور پھر پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ کب بیڈ روم میں داخل ہو گئے۔ میری اس عجیب و غریب وضاحت کو وہ لوگ بہ آسانی سمجھ جائیں گے جو کسی ڈیڑھیا فلیٹ میں رہ رہے ہوں یا رہ چکے ہوں۔

وہ اکلوتا بیڈ روم اٹیچڈ باتھ تھا اور کچن سے متصل، ایک کونے میں مجھے ایک تین ضرب پانچ فٹ کے سائز کا ڈکٹ

www.zemtime.com

دکھائی دیا جس کی اندرونی جانب ایک کھڑکی بنی ہوئی تھی جو کہ بند تھی۔ میں نے مذکورہ جالی دار کھڑکی کو کھول کر اس کے اندر گردن ڈالنے کے بعد اوپر کی جانب دیکھا تو مجھے نیلا آسمان نظر آیا۔ گویا اس ڈکٹ کو وینٹی لیشن کی غرض سے بنایا گیا تھا جو گراؤنڈ فلور سے شروع ہو کر بلڈنگ کی چھت تک چلا گیا تھا۔ اس نوعیت کے ڈکٹس تازہ ہوا کی آمد و شد کے لیے بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔ میں نے ڈکٹ کے اندرونی حصے کو بھی بغور دیکھا۔ وہ ایک دم صاف ستھرا تھا۔ اسی لمحے میرے ذہن میں ایک خیال بجلی کے کوندے کے مانند لپکا۔

''یہ ڈکٹ گراؤنڈ فلور سے بلڈنگ کی چھت تک جاتا ہے اور اوپر کے دونوں فلیٹس کو بھی تازہ ہوا فراہم کرتا ہے یعنی سیکنڈ اور فرسٹ فلور میں بھی گراؤنڈ فلور کی طرح کی جالی دار کھڑکیاں بنی ہوں گی۔ گراؤنڈ فلور کی چھت لگ بھگ بارہ فٹ اونچی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر گراؤنڈ فلور والے ڈکٹ کے اندر سے بارہ اسٹیپس والی کوئی سیڑھی لگائی جائے تو اس کے ذریعے بہ آسانی فرسٹ فلور تک رسائی حاصل کی جاسکتی تھی۔ تو کیا زرینہ نے فرسٹ فلور والے اپنے بند فلیٹ میں سے باہر نکلنے کے لیے یہی راستہ استعمال کیا تھا؟ اگر زرینہ اور نبیل میں واقعتاً پیار محبت والا کوئی معاملہ چل رہا تھا تو نبیل، زرینہ کو فرسٹ فلور سے گراؤنڈ فلور تک لانے کے لیے ایسی کسی سیڑھی کا بندوبست کرسکتا تھا۔

اگرچہ میری اس تھیوری میں کئی ایک خامیاں موجود تھیں جیسا کہ میرے مؤکل کے مطابق نبیل احمد، زرینہ کی گمشدگی سے ایک روز پہلے یعنی سولہ جولائی کی صبح اپنے گاؤں لاڑکانہ چلا گیا تھا۔ زرینہ سترہ اور اٹھارہ جولائی کی درمیانی رات تالا بند فلیٹ کے اندر سے غائب ہوگئی تھی جس کی گمشدگی کی رپورٹ چاند میاں نے اٹھارہ جولائی کو تھانے میں درج کرائی تھی۔ بہرحال مجھے ہر زاویے سے زرینہ کی پراسرار گمشدگی پر غور کرنا تھا کیونکہ اس کا زندہ سلامت بازیاب ہونا ہی میرے مؤکل کو بے گناہ ثابت کرسکتا تھا۔

لیاقت علی تر و تازہ ہو چکا تو ہم پیدل ہی کیفے لبرٹی کی جانب روانہ ہوگئے۔ اس کے فلیٹ سے مذکورہ کیفے محض پانچ منٹ کے واکنگ ڈسٹینس پر واقع تھا۔ کسی زمانے میں یعنی ان دنوں ''کیفے لبرٹی'' طارق روڈ کا ایک معروف ریسٹورنٹ ہوا کرتا تھا۔ میں نے ''تھا'' کا لفظ اس لیے استعمال کیا کہ آج کل اس ریسٹورنٹ کی صرف یاد ہی باقی رہ گئی ہے کیونکہ اس کی جگہ پر کسی برانڈ فیبرکس کی عالیشان عمارت کھڑی بہ زبانِ خاموشی یہ بتانے اور سمجھانے کی کوشش کر رہی ہے کہ جو کل تھا، وہ آج نہیں ہے اور جو آج ہے، وہ کل نہیں ہوگا۔ یہی وقت کی کاریگری ہے۔ اس کی ہنرمندی اور استادی کے سامنے کسی کی پیش نہیں چلتی۔

میں نے نہایت ہی مختصر مگر جامع الفاظ میں لیاقت علی کو تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کیا اور پھر دونوں پوسٹ کارڈ سائز تصاویر اس کے سامنے رکھتے ہوئے ٹھوس انداز میں استفسار کیا۔

''کیا میں توقع کروں کہ آپ میرے ساتھ تعاون کریں گے؟ میں اپنے مؤکل چاند میاں کو باعزت بری کرانا چاہتا ہوں اور یہ آپ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہوسکے گا۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا؟''

''جی وکیل صاحب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اگرچہ سچویشن بہت الجھی ہوئی ہے لیکن میں جو کچھ جانتا ہوں وہ آپ کو ضرور بتاؤں گا۔ ایک بات کی وضاحت کردوں کہ مجھے گھما پھرا کر گفتگو کرنا نہیں آتی۔ میں جو بھی کہوں گا، دوٹوک انداز میں کہوں گا۔ آپ کا دل چاہے تو یقین کریں۔''

''ویری گڈ!'' میں نے ستائشی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ ''میں آپ کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ پر یقین کروں گا کیونکہ میں صاف گو اور سچے لوگوں کو دل سے پسند کرتا ہوں۔ آپ شروع ہوجائیں۔ میں توجہ سے سن رہا ہوں۔''

اور وہ شروع ہوگیا۔

آئندہ پندرہ منٹ میں لیاقت علی نے مجھے جو معلومات فراہم کیں، ان کا خلاصہ اپنے اندر سادگی اور پرکاری لیے ہوئے تھا۔ لیاقت علی کے مطابق نبیل احمد کا تعلق اسی کے گاؤں سے تھا اسی لیے اس نے اسے اپنے ساتھ رکھ بھی لیا تھا۔ وہ کم و بیش نو ماہ تک ایک روم میٹ کی حیثیت سے اس کے فلیٹ میں رہا تھا اور سولہ جولائی کو وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس نے لیاقت علی کو بتایا تھا کہ اسے ایک پروڈکشن ہاؤس میں کام مل گیا ہے اور وہ یونٹ کے ساتھ شمالی علاقہ جات کی طرف جا رہا ہے۔ مذکورہ پروڈکشن کمپنی نے اس کی رہائش وغیرہ کا بندوبست بھی کردیا تھا لہٰذا وہ اپنا سامان وغیرہ بھی ساتھ لے گیا تھا۔ گویا اس کی واپسی کا اب کوئی امکان بظاہر دکھائی نہیں دیتا تھا اسی لیے لیاقت علی نے اسے مبارک باد کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ اس وقت نبیل کہاں تھا اور کیا کرتا پھر رہا تھا، اس بارے میں لیاقت علی کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔

مستقبل کے ڈاکٹر کو اس بات کی بھی کوئی خبر نہیں تھی کہ اس دوران میں نبیل اور زرینہ کے درمیان کسی قسم کا کوئی

www.zemtime.com

عشقیہ معاملہ رہا تھا۔ اس کے مطابق نبیل کو اداکاری کا شوق جنون کی حد تک تھا لیکن اس کے کسی افیئر سے وہ بالکل واقف نہیں تھا۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے وہ مسلسل اس تصویر کو بھی گھور رہا تھا جس میں نبیل اور زرینہ لوو برڈز کے انداز میں ایک دوسرے کے انتہائی نزدیک نظر آرہے تھے۔ میں نے لیاقت علی کے چہرے پر الجھن کو نمودار ہوتے دیکھا تو پوچھا۔

''کیا اس فوٹو میں کوئی خاص بات ہے؟''

''ہاں وکیل صاحب!'' وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''بہت ہی خاص۔ مجھے اس تصویر میں کوئی گڑبڑ محسوس ہو رہی ہے۔''

''کیسی گڑبڑ؟'' میں نے چونکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''مجھے بھی بتائیں۔''

''نبیل کی گردن اور بازو کو غور سے دیکھیں۔'' اس نے انکشاف انگیز لہجے میں کہا۔

''ہاں..... میں دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے فوٹو پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ ''بتائیں، اس میں گڑبڑ والی کون سی بات ہے؟''

''آپ کو تصویر میں نبیل کی گردن پر کسی قسم کا کوئی نشان نظر آرہا ہے؟'' اس نے باقاعدہ مذکورہ مقام پر انگلی رکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔'' میں نے الجھن زدہ لہجے میں جواب دیا۔ ''اس کی گردن تو بالکل صاف ہے۔''

''اور اس کا وہ بازو دیکھیں جو اس نے زرینہ کے شانے پر رکھا ہوا ہے۔'' لیاقت علی نے ایک بار پھر تصویر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے استفسار کیا۔ ''نبیل نے اپنی شرٹ کی آستین کو کہنی تک اڑسا ہوا ہے اور آپ کو اس کے بازو کے کھلے ہوئے حصے پر گھنے بال دکھائی دے رہے ہیں نا؟''

''ہاں بالکل! دکھائی دے رہے ہیں۔'' میں نے بے حد الجھے ہوئے انداز میں سوال کیا۔ ''اس سے آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں آخر؟''

''نبیل احمد کو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں وکیل صاحب!'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''اس کی گردن پر ایک پرانے زخم کا واضح نشان موجود ہے اور اس کے بدن پر زیادہ بال بھی نہیں ہیں، خصوصاً بازوؤں پر تو بس ہلکا سا رُواں ہی ہے جبکہ اس فوٹو میں اس کے کھلے ہوئے بازو پر خاصے گھنے بال دکھائی دے رہے ہیں۔''

''اوہ مائی گاڈ!'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔ ''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کسی ایسے شخص نے فوٹو میں زرینہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا ہوا ہے جس کے بدن پر گھنے بال ہیں اور اس کی گردن پر کسی قسم کی چوٹ یا زخم کا نشان نہیں ہے لیکن اس شخص کو نبیل بنانے کے لیے ''فیس چینج'' کی تکنیک کا سہارا لیا گیا ہے۔''

اس زمانے میں اسکیننگ اور فوٹو اڈوب جیسی ٹیکنالوجی کا کوئی تصور نہیں تھا لہٰذا اس نوعیت کی مجرمانہ سرگرمیوں کے لیے ''کٹ اینڈ پیسٹ'' جیسے فارمولاز ہی آزمائے جاتے تھے۔

''جی بالکل!'' لیاقت علی نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے معتدل لہجے میں کہا۔ ''کسی نے بڑی مہارت سے نبیل کا چہرہ، تصویر میں زرینہ کے ساتھ نظر آنے والے آدمی کے چہرے پر سیٹ کیا ہے۔ سر کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی تک تو نبیل ہی کا چہرہ ہے۔ اس کے بعد گھنے بالوں والے بندے کا جسم شروع ہو جاتا ہے جس کی گردن پر زخم کا نشان موجود نہیں..... اور یہ کام کسی ماہر فوٹو گرافر نے کیا ہے۔''

''اور وہ ماہر فوٹو گرافر.....'' میں نے لیاقت علی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''چاند میاں تو ہو نہیں سکتا۔''

''ہو سکتا ہے.....!'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''اگر چاند میاں کے جسم پر گھنے بال ہوں، اس کی گردن پر کوئی زخم کا پرانا نشان نہ ہو اور وہ زرینہ سے نجات کا خواہش مند ہو یا وہ نبیل احمد سے خصوصی دشمنی رکھتا ہو؟''

''ان چاروں امکانات میں سے سردست کسی ایک کے بارے میں بھی نہیں سوچا جا سکتا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں چاند میاں سے تفصیلی ملاقات کر چکا ہوں اور میں نے اس کی زندگی کی کہانی پر بھی اچھی طرح غور کیا ہے۔'' لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس خارج کی پھر تصویر میں زرینہ کے ساتھ نظر آنے والے شخص پر انگلی رکھ کر پُروثوق انداز میں کہا۔

''یہ کسی بھی قیمت پر چاند میاں ہے اور نہ ہی نبیل احمد۔''

''اگر آپ اپنے مؤکل کو بے گناہ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو آپ اس مشکوک بندے کو جلد از جلد تلاش کر لیں وکیل صاحب!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

''ایسا ہی مشورہ میں آپ کو بھی دینا چاہوں گا۔'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔

وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکتے ہوئے بولا۔ ''میں کچھ سمجھا نہیں وکیل صاحب؟''

www.zemtime.com

''اگر آپ اپنے روم میٹ اور گرائیں نبیل احمد کو پھانسی کے پھندے سے بچانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ تصویر میں نظر آنے والے بندے کو جلد از جلد تلاش کرنے میں میری مدد کریں لیاقت صاحب!'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔

وہ عجیب سے لہجے میں مستفسر ہوا۔ ''میں اس سلسلے میں بھلا کیا کر سکتا ہوں وکیل صاحب؟''

میں نے دونوں تصاویر کو اٹھاتے ہوئے مستقبل کے ڈاکٹر سے پوچھا۔ ''آج سہ پہر میں آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟''

''کوئی خاص نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے ٹھوس انداز میں کہا۔ ''آج ٹھیک پانچ بجے آپ میرے آفس آجائیں۔''

''آجاؤں گا۔'' وہ کارڈ لیتے ہوئے بولا۔ ''میں یقیناً نبیل کو کسی بھی آفت اور مصیبت سے بچانا چاہوں گا لیکن کچھ بتائیں تو سہی کہ آپ کے ذہن میں کیا چل رہا ہے؟''

''آفس میں بیٹھ کر تفصیلی بات کریں گے۔'' میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔ ''پھر سارا معاملہ آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔''

''آج تو ہفتہ وار چھٹی ہے۔'' وہ بے یقینی سے مجھے دیکھتے ہوئے مستفسر ہوا۔ ''کیا آپ آف ڈیز میں بھی آفس کھولتے ہیں؟''

''ضرورت پڑنے پر..... یس!'' میں نے جواب دیا۔ ''اور آج ایک ایسا ہی آف ڈے ہے۔''

لیاقت علی حیرت، الجھن اور بے یقینی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ میری صورت دیکھنے لگا۔

☆☆☆

منظر اسی عدالت کا تھا اور وٹنس باکس میں استغاثہ کا گواہ غفور خان کھڑا تھا۔ غفور خان کی عمر پینتالیس کے اریب قریب رہی ہوگی۔ وہ کسی سرکاری محکمے میں ملازم تھا اور چاند میاں والی رہائشی عمارت کے ٹاپ یعنی سیکنڈ فلور پر رہائش پذیر تھا۔ اس کی بیوی کا نام فرزانہ تھا۔ فرزانہ ایک چالیس سالہ گھریلو عورت تھی۔ فرزانہ اور غفور کی ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام زینب تھا۔ زینب میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی۔

چند روز پہلے میں نے چھٹی کے دن بشریٰ کی یادداشت اور شاہد حسین کی فنکارانہ صلاحیتوں کے ملاپ سے اس نامعلوم شخص کا جو اسکیچ بنوایا تھا اس نے کیس کو ایک نیا رخ دے دیا تھا جس کے نتیجے میں وہ بندہ آج ''نامعلوم'' ہرگز نہیں رہا تھا۔ جب سے زرینہ کی گمشدگی کا کیس عدالت میں لگا تھا، میں نے اس شخص کو ہر پیشی پر کمرائے عدالت میں حاضرین کے بیچ موجود پایا تھا۔ اسکیچ میں ابھرنے والا چہرہ انیس بیس کے فرق سے اسی شخص کا تھا۔

گواہ کا حلفیہ بیان ریکارڈ ہو چکا تو وکیل استغاثہ جرح کے لیے وٹنس باکس کے نزدیک چلا گیا اور اکیوزڈ باکس میں گردن جھکا کر کھڑے ملزم چاند میاں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''خان صاحب! کیا آپ اس شخص کو جانتے ہیں؟''

غفور خان نے جواب دیا۔ ''جی..... بہت اچھی طرح۔ یہ میرے نیچے والے فلیٹ میں رہتا ہے۔''

''آپ کی بلڈنگ میں تین بائی پانچ فٹ کا ایک ڈکٹ بھی دیا گیا ہے جو گراؤنڈ فلور سے شروع ہو کر چھت تک چلا گیا ہے۔'' وکیل استغاثہ نے اپنے گواہ کے چہرے پر نگاہ جما کر کہا۔ ''اگرچہ اس ڈکٹ کا مقصد بہت نیک اور صحت افزا ہے۔ اس کے توسط سے تمام فلیٹس میں تازہ ہوا کی آمد و رفت جاری رہتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی پرائیویسی کا بھی ایک مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ میرا مطلب ہے اگر کوئی شخص اپنے فلیٹ میں بیٹھ کر بہ آوازِ بلند بات کرے تو اسے دوسرے فلیٹس کے مکین بھی بہ آسانی سن سکتے ہیں..... ہیں نا؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''لیکن یہ ایشو صرف تیز آواز کے ساتھ ہے۔ نارمل انداز میں کی جانے والی گفتگو اس زمرے میں نہیں آتی۔''

''جب دو افراد میں بحث مباحثہ ہو رہا ہو تو ان کی جارحانہ بات چیت کبھی بھی نارمل انداز کے دائرے میں نہیں رہ سکتی۔ خصوصاً اگر وہ دونوں میاں بیوی ہوں تو.....'' وکیل استغاثہ نے مکاری بھرے لہجے میں کہا۔ ''آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟''

''میں آپ سے مکمل اتفاق کرتا ہوں وکیل صاحب!'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔

''آپ کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ ملزم چاند میاں اور اس کی لاپتا بیوی زرینہ کے مابین اکثر و بیشتر لڑائی جھگڑا ہوتا رہتا تھا۔'' وکیل استغاثہ نے استفساریہ نظر سے اپنے گواہ کی جانب دیکھا۔ ''ان کی بحث و تکرار ڈکٹ کے ذریعے، تازہ ہوا کے دوش پر سفر کر کے یقیناً آپ تک بھی پہنچتی ہوگی؟''

گواہ نے گول مول جواب دیا۔ ''جی بالکل..... ایسا

www.zemtime.com

ہی ہے۔"

میں آپ کو بتانا بھول گیا کہ شاہد حسین آرٹسٹ نے بشریٰ کی مدد سے جو اسکیچ تیار کیا تھا، اسے مستقبل کے ڈاکٹر لیاقت علی نے واضح طور پر پہچان لیا تھا۔ اس شخص کا نام منصور علی تھا۔ آپ کو یاد ہوگا اس روز میں نے لیاقت علی کو سہ پہر پانچ بجے اپنے آفس آنے کو کہا تھا۔ اس سے میرا مقصد یہ تھا کہ میں اسے شاہد حسین کا بنایا ہوا اسکیچ دکھا سکوں تاکہ نبیل احمد اور اس بندے کے بیچ جو کنکشن ہے، اسے سمجھا جا سکے۔ لیاقت علی نے مذکورہ اسکیچ کو دیکھتے ہی بڑے اعتماد سے کہا تھا۔ "یہ تو منصور علی ہے۔" اس انکشاف پر لیاقت علی سے میری تفصیلی بات ہوئی تھی اور میں نے اس سے درخواست کی تھی کہ آئندہ پیشی پر وہ میرے ساتھ عدالت چلے گا۔ لیاقت نے میری بات مان لی تھی۔ وہ اس وقت سٹی کورٹ کی کینٹین میں موجود تھا اور میرے بلاوے پر وہ ایک منٹ کے اندر کورٹ روم میں پہنچ سکتا تھا۔ یہ انتظام احتیاط کے پیشِ نظر کیا گیا تھا کیونکہ اس تاریخ پر بھی منصور علی حاضرینِ عدالت کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ لیاقت اور منصور ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ لیاقت کو دیکھتے ہی منصور بدک جائے اور میرا منصوبہ خاک میں مل جائے۔ میں اس چالباز شخص منصور علی کو بڑے طریقے سلیقے سے گھیرنے کا خواہش مند تھا۔

"وقوعہ کی رات....." وکیل استغاثہ نے اپنی جرح کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یعنی سترہ اور اٹھارہ جولائی کی درمیانی رات آپ نے ملزم کو ایک عجیب و غریب حرکت کرتے دیکھا تھا۔ معزز عدالت اس مشکوک واقعے کی تفصیل جاننا چاہتی ہے غین ممکن صاحب۔ میرا مطلب ہے ..... غفور خان صاحب!"

"غین ممکن" کا استعمال دراصل اس نے مجھے سنانے کے لیے کیا تھا اور اس ترکیب کی ادائی کے ساتھ ہی اس نے زیرِ لب مسکرا کر میری طرف دیکھا بھی تھا۔ گزشتہ پیشی پر وکیل استغاثہ نے چیلنج کرنے والے انداز میں مجھ سے کہا تھا۔ "آئندہ پیشی پر میں غین ممکن، فے ممکن اور گاف ممکن کے ہتھیار استعمال کروں گا لہٰذا خوب تیاری کر کے آیئے گا میرے فاضل دوست!" پھر اپنی بات کی وضاحت میں اس نے بتایا تھا کہ غین ممکن کا مطلب ہے عینی شاہد "غفور خان" ..... فے ممکن کا مطلب ہے "فوٹو گرافس" اور گاف ممکن کا مطلب ہے "گلا گھونٹنا" اور یہ سارا زہر اس نے میرے استعمال کردہ الفاظ "عین ممکن" کے جواب میں اگلا تھا۔

"وہ ایک اور دو بجے کے درمیان کا کوئی وقت تھا۔" استغاثہ کا گواہ غفور خان عرف "غین ممکن" ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتانے لگا۔ "مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ فرزانہ اور زینب بیڈ روم میں مزے کی نیند سو رہی تھیں اور میں لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ جب ٹی وی سے دل بھر گیا تو میں اٹھ کر بے مقصد لاؤنج میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا اور اسی وقت میں نے باہر کی جانب کھلنے والی لاؤنج کی کھڑکی میں سے چاند میاں کو اپنی گاڑی کی ڈکی کے ساتھ مصروفِ عمل دیکھا۔"

"خان صاحب!" وکیل استغاثہ تیز آواز میں قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔ "مصروفِ عمل کی وضاحت کریں۔"

وکیل سرکار اپنے گواہ کی بات نہیں بھی کاٹتا تو آثار بتاتے تھے کہ وہ آگے چل کر ملزم کی کسی عجیب و غریب حرکت ہی کے بارے میں بتانے والا تھا۔ بہرحال، اس نے معتدل انداز میں جواب دیا۔

"کار کی ڈکی کھلی ہوئی تھی اور چاند میاں کمر تک اس کے اندر گھسا ہوا کسی شے کو سیٹ کر کے رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے بہت حیرت ہوئی کہ رات کے اس پہر وہ کہاں جانے کی تیاری میں ہے۔ میں چپ چاپ اس کی مشکوک حرکات کا جائزہ لیتا رہا۔ یہ اللہ کا بندہ وقفے وقفے سے گردن اٹھا کر محتاط نظر سے اِدھر اُدھر بھی دیکھ لیتا تھا اور اس کے بعد پھر ڈکی کے اندر مصروف ہو جاتا تھا۔ جب اس کی یہ مڈ نائٹ مہم میری سمجھ میں نہیں آئی تو زیرِ لب یہ بڑبڑاتے ہوئے میں کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا..... لگتا ہے میری طرح اس کم بخت کو بھی نیند نہیں آ رہی۔"

مزید ایک دو سوالات کے بعد وکیل استغاثہ نے جرح ختم کر دی۔ اپنی باری پر میں وٹنس باکس کے نزدیک چلا گیا اور ہلکے پھلکے انداز میں استغاثہ کے گواہ سے سوالات کا سلسلہ آغاز کر دیا۔

"غفور خان صاحب!" میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جما کر پوچھا۔ "آپ کی ملزم سے کوئی دشمنی تو نہیں ہے؟"

وہ نفی میں گردن جھٹکتے ہوئے بولا۔ "نہیں جناب!"

"کوئی ناراضی وغیرہ..... کوئی شکوہ شکایت؟"

"بالکل نہیں۔" وہ اٹل لہجے میں بولا۔

"اچھی بات ہے۔" میں نے ستائشی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ "ایک پڑوسی کو دوسرے پڑوسی کے ساتھ اسی طرح پیار محبت سے رہنا چاہیے۔"

"جی.....!" وہ معتدل انداز میں بولا۔

"کیا کبھی فرزانہ سے آپ کا جھگڑا ہوا ہے؟" میں

www.zemtime.com

نے پوچھا۔

''کبھی کبھار نوک جھوک ہوجاتی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''مطلب میاں بیوی میں اختلاف رائے اور تُو تکار ایک عام سی بات ہے؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی..... ہاں۔'' اس نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔

''اس اصول کی روشنی میں ملزم اور اس کی گمشدہ بیوی کے درمیان ہونے والی تلخ کلامی کے واقعات روزمرہ زندگی کا حصہ ہیں۔'' میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے قدرے خشک لہجے میں دریافت کیا۔ ''پھر میرے مؤکل اور اس کی لاپتا بیوی کے درمیان جنم لینے والی شکر رنجیوں کو اس قدر اچھالنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''وہ بات دراصل یہ ہے وکیل صاحب کہ.....'' وہ گڑبڑائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''گرمی سردی ہم میاں بیوی کے بیچ بھی ہوتی رہتی ہے لیکن زینب کا خیال کرتے ہوئے ہم اپنی آواز کو بلند نہیں ہونے دیتے جبکہ ملزم کے گھر میں اولاد وغیرہ کا کوئی معاملہ سرے سے ہے ہی نہیں اس لیے بھی وہ اس نوعیت کی کوئی احتیاط نہیں کرتے جس کے نتیجے میں ان کے لڑائی جھگڑے کی آواز خاصی اونچی ہوجاتی ہے اور ڈکٹ کی وجہ سے بہ آسانی نیچے سے اوپر تک سنی جاسکتی ہے۔''

''گویا.....'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''یہ ویلیوز کا نہیں بلکہ والیوم کا ایشو ہے؟''

اس نے تصدیقی انداز میں گردن ہلادی۔

''غفور صاحب!'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے ابھی معزز عدالت کے روبرو وقوعہ کی رات والا قصہ بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آپ نے مقتول کو اپنی کار کی ڈکی کے اندر کچھ کارروائی کرتے دیکھا تھا۔ کیا آپ وثوق سے بتاسکتے ہیں کہ اس مبینہ کارروائی کی نوعیت کیا تھی؟''

''جی نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں دیکھ نہیں سکا کہ وہ دراصل کیا کررہا تھا۔ مجھے اس کی صرف پشت نظر آرہی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ ڈکی کے اندر کچھ سامان وغیرہ ٹھونسنے کی کوشش کررہا تھا۔''

''آپ نے تھوڑی دیر پہلے میرے سوالات کے جواب میں معزز عدالت کو بتایا ہے کہ آپ کی ملزم سے کوئی دشمنی ہے اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی خفگی۔'' میں نے قدرے سخت انداز میں کہا۔ ''اچھے پڑوسی ہونے کے ناتے آپ کا فرض بنتا تھا کہ اس موقع پر آپ ملزم کی مدد کرنے نیچے پہنچ جاتے یا کم از کم آواز دے کر پوچھ ہی لیتے کہ چاند میاں! کیا پریشانی ہے؟ مگر آپ تو یہ سوچ کر کھڑکی سے ہٹ گئے کہ آپ کی طرح چاند میاں کو بھی شاید نیند نہیں آرہی اسی لیے آدھی رات کے بعد اوٹ پٹانگ حرکتیں کررہا ہے۔''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں وکیل صاحب!'' وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ ''مجھے چاند میاں سے دریافت کرنا چاہیے تھا۔ مجھ سے بھول ہوگئی۔''

''آپ کی اس بھول کو استغاثہ نے بڑی مہارت اور صفائی کے ساتھ میرے مؤکل کے خلاف استعمال کرتے ہوئے کچھ ایسا تاثر پیدا کردیا ہے جیسے ملزم رات کے اس پہر اپنی کار کی ڈکی میں کوئی ممنوعہ شے چھپا رہا تھا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اور عین ممکن ہے کہ وہ اس کی بے ہوش یا مُردہ بیوی ہی ہو جسے ٹھکانے لگانے کے لیے وہ اپنی کار کی ڈکی میں ڈال کر کہیں جانے والا تھا۔ بہرحال.....'' لمحاتی توقف کرکے میں نے ایک آسودہ سانس خارج کی پھر روئے سخن جج کی جانب پھیرتے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کردیا۔

''مجھے گواہ سے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!''

اگلی گواہی مشتاق احمد کی تھی۔

مشتاق احمد نامی وہ شخص ایک راہ گیر تھا جس کا وقوعہ کی رات طارق روڈ کے کمرشل ایریا سے گزر ہوا تھا اور اس نے ملزم کو ایک گٹھڑی گھسیٹ کر اپنی گاڑی کی طرف لے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرے حساب سے مشتاق احمد ایک بھرتی کا گواہ تھا جسے نظریۂ ضرورت کے تحت منظرِ عام پر لایا گیا تھا۔

گواہ کا بیان ریکارڈ ہوچکا تو وکیل استغاثہ جرح کی غرض سے اس کے نزدیک چلا گیا اور ملزم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پہلا سوال کیا۔

''مشتاق احمد! کیا آپ کو یقین ہے کہ سترہ اور اٹھارہ جولائی کی درمیانی رات یہی شخص ایک گٹھڑی کو گھسیٹ کر اپنی کار کی ڈکی کی طرف لے جارہا تھا؟''

وکیل استغاثہ نے نہایت ہی ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کار کے ساتھ ''ڈکی'' کے لفظ کا بھی اضافہ کردیا تاکہ غفور خان کے بیان کو تقویت مل سکے اور عدالت یہ سوچنے پر مجبور ہوجائے کہ ملزم نے وقوعہ کی رات اپنی بیوی کو بے ہوشی کی حالت میں یا پھر ایک لاش کی حیثیت سے گٹھڑی میں باندھ کر اپنی گاڑی تک پہنچایا پھر ڈکی میں ڈال کر اسے کہیں لے گیا اور خاموشی کے ساتھ ٹھکانے

www.zemtime.com

لگا دیا..... وغیرہ ہم!

''میں چاند میاں کو اچھی طرح پہچانتا ہوں وکیل صاحب!'' گواہ نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ ''میں نے اپنے شناختی کارڈ کے لیے اسی کی دکان سے فوٹو بنوائی تھیں۔''

وکیل استغاثہ نے گواہ کو فارغ کیا اور میری جانب دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکرایا جیسے بہ زبانِ تاثرات مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہو کہ میں نے غین ممکن (غفور خان) اور گاف ممکن (گلا گھونٹنا) تو آپ کی خدمت میں پیش کر دیے ہیں، فے ممکن (فوٹو گرافس) بھی بس آیا ہی چاہتا ہے۔ میں نے جب اس کی بے آواز چوٹ پر کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں کیا تو وہ مشتاق احمد کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بڑی فیاضی سے بولا۔

''یور رونٹس پلیز!''

اس نے حاتم کی گور پر لات مارنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اس کی مصنوعی سخاوت کی علم بردار اس پیشکش کو اپنے جوتے کی نوک پر مارتے ہوئے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔

''سوری..... نو کوئسچن!''

اس نے معاندانہ نظر سے مجھے گھورا اور جج سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''جناب عالی! میں نے گزشتہ پیشی پر ''فوٹو گرافس'' کا سرسری سا ذکر کیا تھا۔ اب میں مذکورہ فوٹو گرافس معزز عدالت کی خدمت میں پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔ یہ فوٹو گرافس دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیں گے جس کے بعد استغاثہ کی طرح یہ عدالت بھی اسی نتیجے پر پہنچے گی کہ ملزم کو اپنی بیوی کی بے وفائی کا پتا چل گیا تھا۔ اس نے وقوعہ کی رات گلا گھونٹ کر اپنی بیوی کو موت کے گھاٹ اتارا پھر اس کی لاش کو گٹھڑی کی صورت اپنی کار کی ڈکی میں بھر کر کہیں ٹھکانے لگانے لے گیا۔''

''پرمیشن گرانٹیڈ!'' جج نے سپاٹ آواز میں کہا۔

اس کے بعد وکیل استغاثہ نے دو تصاویر ایک لفافے میں سے نکال کر جج کی خدمت میں پیش کر دیں اور فاتحانہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ اس کے انداز میں ایک خاص قسم کا غرور اور تکبر پایا جاتا تھا۔ میں اسے نظر انداز کر کے جج کی جانب متوجہ ہو گیا۔

اس دوران میں جج مذکورہ پوسٹ کارڈ سائز کی ان فوٹوز کو بغور دیکھ چکا تھا۔ اس کے چہرے پر الجھن آمیز حیرت نے اپنی جگہ بنالی تھی۔ اس نے تصاویر کو میز پر رکھنے کے بعد وکیل استغاثہ کی طرف سوالیہ نظر سے دیکھا تو وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''یور آنر! یہ گمشدہ زرینہ اور اس کے عاشق کی تصاویر ہیں جو ایک رنگین اور سنگین کہانی سنا رہی ہیں۔ مزید تصدیق کے لیے ملزم سے پوچھا جا سکتا ہے۔ دیٹس آل یور آنر!''

آئندہ ایک منٹ میں چاند میاں نے اس امر کی تصدیق تو کر دی کہ ان تصاویر میں دکھائی دینے والی عورت لاپتا زرینہ اور مرد گراؤنڈ فلور پر رہنے والا ایک شخص نبیل احمد ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی یہ ماہرانہ اور پیشہ ورانہ رائے بھی دی کہ ان تصاویر کے ساتھ کسی نے خصوصی چھیڑ چھاڑ کی ہے۔ مطلب، جیسا نظر آ رہا ہے وہ حقیقت نہیں ہے۔

''جناب عالی! کیا میں بھی اپنے فاضل دوست کی فراہم کردہ تصاویر کو ایک نگاہ دیکھ سکتا ہوں؟'' میں نے جج سے مخاطب ہوتے ہوئے بہ آوازِ بلند کہا۔

''کیوں نہیں.....!'' جج نے فوراً میری فرمائش پوری کر دی۔

وکیل استغاثہ کے ہاتھ میں وہ فوٹو گرافس دیکھ کر میں چونک اٹھا تھا۔ اگرچہ اس وقت میں یہ نہیں جانتا تھا کہ مذکورہ تصاویر کس سے متعلق ہوں گی مگر ان کے سائز نے میرے ذہن میں روشنی کا ایک تیز جھماکا سا کر دیا تھا اور سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ یہ وہی دو تصاویر ہیں جو منصور علی نے وقتاً فوقتاً میرے آفس میں پہنچائی تھیں اور اس وقت میرے بیگ کے اندر محفوظ رکھی تھیں۔

میرے محسوسات نے مجھے دھوکا نہیں دیا۔ وکیل استغاثہ جو تصاویر منظرِ عام پر لایا تھا، وہ ہو بہو انہی فوٹو گرافس کی کاپی تھیں جو میں نے اپنے پاس سنبھال رکھی تھیں بلکہ میرے بیگ میں ایک تیسری تصویر بھی تھی یعنی منصور علی کا قلمی خاکہ جو شاہد حسین نے بڑی محنت سے عام رجسٹر سائز کے ڈرائنگ کارڈ پر ڈرا کیا تھا۔

''جناب عالی!'' میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''اگر یہ تصاویر میرے فاضل دوست نے بڑے فخر سے معزز عدالت کی خدمت میں پیش کی ہیں تو یقیناً ان کے ذہن میں مذکورہ تصاویر کے حوالے سے کوئی کہانی بھی ہوگی۔ مجھے جو بھی کہنا ہے، وہ کہانی سننے کے بعد ہی کہنا ہے۔ دیٹس آل۔''

''جی وکیل صاحب!'' جج نے سوالیہ نظر سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا۔ ''آپ کیا کہنا چاہیں گے۔''

وکیل سرکار نے بڑے جوش و خروش سے بولنا شروع کیا۔ ''جناب عالی! ان تصاویر میں دو افراد نظر آ رہے ہیں جن میں عورت کا نام زرینہ اور مرد کا نام نبیل احمد ہے جو کہ

www.zemtime.com

ملزم کے نیچے والے گراؤنڈ فلور کے فلیٹ میں رہتا تھا اور اس بات کی تصدیق تھوڑی دیر پہلے ملزم نے کردی ہے۔ ان میں سے ایک تصویر کو دیکھ کر بہ خوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نبیل احمد اور ملزم کی گمشدہ بیوی میں کس نوعیت کے غیر شرعی تعلقات تھے۔'' لمحاتی توقف کرکے اس نے طنزیہ انداز میں میری طرف دیکھا پھر اپنے دلائل کے سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''ملزم کو جب اپنی بیوی کے لچھنوں کا علم ہوا تو اس کا دماغ گھوم گیا۔ اس ایشو کو لے کر میاں بیوی کے درمیان خوب لڑائی ہوئی اور یہ لڑائی کئی روز تک ہوتی چلی گئی۔ بالآخر ملزم نے اپنے سمبالازم کو آڑ بنا کر ایک رات گلا گھونٹ کر اپنی بیوی کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور.....''

''اس ذہنی بیماری کا نام.....'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے خفگی بھرے لہجے میں کہا۔ ''سوم نمبولزم ہے..... نہ کہ سمبالازم۔''

''کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ میری چوٹ پر تلملا کر رہ گیا۔ ''نام وام میں کیا رکھا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ملزم نے اپنی بیوی کو قتل کرکے اس کی لاش کو کٹھڑی کی صورت اپنی کار کی ڈکی میں ڈالا اور کہیں ٹھکانے لگا دیا۔ دس از ویل پلینڈ مرڈر!''

''آبجیکشن یور آنر!'' میں نے اپنی فائلوں پر ہاتھ مارتے ہوئے بہ آواز بلند کہا۔ ''وکیل سرکار انتہائی بچکانہ بلکہ احمقانہ تاویلات کے ذریعے اس کیس کو کسی اور ہی سمت لے جانے کی کوشش کررہے ہیں۔ اگر اس کیس کی فائلز میں جہاں جہاں میرے مؤکل کا نام ''چاند میاں سن آف نیاز میاں'' لکھا ہے اسے بدل کر ''ریاض میاں سن آف مختار میاں'' کردیا جائے تو اس کیس میں نامزد ملزم یعنی میرا مؤکل تو بغیر کسی عدالتی کارروائی ہی کے باعزت بری ہوجائے گا کیونکہ وہ ریاض میاں نہیں بلکہ چاند میاں ہے۔ جیسا کہ میرے مؤکل کی دماغی بیماری کا نام سمبالازم نہیں بلکہ سوم نمبولزم ہے۔'' پھر میں نے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کردیا۔

''چیزوں کے نام بدل جانے سے زمین و آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے میرے دوست!''

''آبجیکشن سسٹینڈ!'' جج نے میرے اعتراض کو درست قرار دیتے ہوئے وکیل استغاثہ سے کہا۔ ''آپ اپنے دلائل کو آگے بڑھائیں لیکن کوئی بھی ایسی بات نہ کریں جو تکنیکی اور معنوی اعتبار سے غلط ہو یا اس کا کوئی غلط مطلب نکلتا ہو۔''

وکیل استغاثہ نے برا سا منہ بنا کر میری طرف دیکھا اور ادھر ادھر کی چند بے ربط باتوں کے بعد اپنے دلائل کا سلسلہ موقوف کردیا۔ اپنی باری پر میں نے جج سے مخاطب ہوتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''جناب عالی! میرے فاضل دوست نے جن تصاویر کے ذریعے میرے مؤکل اور اس کی گمشدہ بیوی کے حوالے سے ازالۂ حیثیتِ عرفی کا ارتکاب کیا ہے، وہ انتہائی افسوس ناک بلکہ شرمناک ہے۔ ویسی ہی دو تصاویر میرے پاس بھی ہیں مگر ایک مختلف اور چونکا دینے والی سنسنی خیز کہانی کے ساتھ۔''

''اور وہ کہانی کیا ہے؟'' جج نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

''میں وہ انقلاب آفریں کہانی معزز عدالت کو ضرور سناؤں گا۔'' میں نے ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس سے پہلے میں وکیل استغاثہ سے چند اہم سوال کرنا چاہوں گا۔ اگر عدالت کی اجازت ہو تو.....''

''اجازت ہے۔'' جج نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''میرے فاضل دوست!'' میں نے وکیل سرکار کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''پچھلی پیشی پر آپ نے ''فے ممکن'' کے ذیل میں فوٹو گرافس کا ذکر تو کیا تھا لیکن مذکورہ تصاویر دکھائی نہیں تھیں بلکہ اس معاملے کو اگلی پیشی کے لیے چھوڑ کر مجھے خوب تیاری کے ساتھ عدالت آنے کا مشورہ بھی دیا تھا۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا نا؟''

''نہیں۔'' وہ میری بات کی توثیق کرتے ہوئے بولا۔ ''مجھے اچھی طرح یاد ہے میں نے ایسا ہی کہا تھا۔''

''کیا میں جان سکتا ہوں کہ آپ نے یہ دونوں فوٹو گرافس کہاں سے حاصل کی ہیں؟'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جما کر استفسار کیا۔

''ایک اچھا وکیل اپنا سورس کبھی نہیں بتاتا!'' وہ بڑی ادا سے بولا۔

''اگرچہ یہ گائن ایک کامیاب جرنلسٹ کے لیے استعمال کی جاتی ہے لیکن پھر بھی چلے گا۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''آپ چاہے نہ بتائیں مگر مجھے معلوم ہے کہ یہ دونوں تصاویر آپ کو کس نے دی ہیں۔''

''آپ کو کیسے معلوم؟'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

''اس لیے کہ ایسی ہی دو تصاویر میرے پاس بھی ہیں۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر دباؤ ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ ''جو اسی

www.zemtime.com

شخص نے میرے آفس میں پہنچائی ہیں جس نے آپ کو دی ہیں مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ آپ اس پراسرار بندے کو بالکل نہیں جانتے جبکہ میں اچھی طرح جان چکا ہوں۔''

بات کے اختتام پر میں نے سب کی نظر بچا کر کن انکھیوں سے حاضرین عدالت کے اندر موجود منصور علی کی طرف ایسی احتیاط کے ساتھ دیکھا کہ وہ میری اس حرکت کو نوٹ نہیں کر سکا تاہم مجھے اس کا چہرہ متغیر ہوتا نظر آیا۔ اگلے ہی لمحے وکیل استغاثہ کی سرسراتی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

''کون ہے وہ.....؟''

''اس پر ہم بعد میں بات کریں گے۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا اور اپنے بیگ میں سے دو تصاویر نکال کر جج کی جانب بڑھاتے ہوئے اضافہ کیا۔ ''جناب عالی! ملاحظہ فرمائیے.....!''

جج نے میری اور وکیل استغاثہ کی فراہم کردہ تصاویر کا بغور معائنہ اور موازنہ کرنے کے بعد حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ ''بالکل..... یہ تصاویر تو ایک دوسرے کی کاپی لگتی ہیں۔ ان میں ایک ذرا سا بھی فرق نہیں ہے۔''

''یہی حقیقت ہے جناب عالی!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا پھر وکیل استغاثہ کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

''میرے فاضل دوست! جب یہ بات آپ کے علم میں آچکی تھی کہ ملزم کی گمشدہ بیوی اور نبیل احمد کے بیچ عشقیہ معاملات چل رہے تھے تو آپ نے ابھی تک نبیل پر ہاتھ کیوں نہیں ڈالا؟''

''انکوائری آفیسر نے نبیل کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔'' وہ جز بز ہوتے ہوئے بولا۔ ''مگر وہ ملا نہیں۔''

نبیل احمد کے روم میٹ لیاقت علی نے مجھے بتایا تھا کہ پولیس نبیل کو ڈھونڈتی ہوئی اس کے فلیٹ پر آئی تھی اور اس نے انہیں بھی وہی بتایا تھا جو مجھے..... یعنی نبیل کو کسی پروڈکشن کمپنی میں ایکٹنگ کا کام مل گیا تھا اور وہ اس کا فلیٹ چھوڑ کر کہیں اور جا بسا تھا۔ کہاں؟ اس بارے میں لیاقت علی کچھ نہیں جانتا تھا۔

''وہ ملا نہیں.....'' میں نے وکیل استغاثہ کے الفاظ کو معنی خیز انداز میں دہرایا پھر چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مطلب، ایک ہیرو اپنی ہیروئن کے ساتھ شوٹنگ کرنے شمالی علاقہ جات کی طرف نکل گیا۔''

''آپ کو کس نے بتایا کہ نبیل شمالی علاقہ جات کی طرف گیا ہے؟'' اس نے شک زدہ نظر سے مجھے گھورتے ہوئے استفسار کیا۔

میں نے اس کے سوال کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال باہر کیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔ ''میرے محترم دوست! فوٹو گراف میں بے حد رومانی دکھائی دینے والے زرینہ اور نبیل منظر سے غائب ہو چکے ہیں۔ اس سے آپ کے ذہن میں کیا آتا ہے؟''

وہ میری چال میں آگیا اور بے ساختہ بولا۔ ''یہی کہ نبیل، زرینہ کو کہیں بھگا لے گیا ہے۔''

''پوائنٹ ٹو بی نوٹیڈ یور آنر!'' میں نے روئے سخن جج کی طرف موڑتے ہوئے دبنگ انداز میں کہا۔ ''میرا مؤکل پچھلے کئی ماہ سے قید و بند کی سختیاں جھیلتے ہوئے ذلت و رسوائی کی زندگی گزار رہا ہے کیونکہ اسی عدالت نے اسے اپنی بیوی کو غائب کرنے کے الزام میں جوڈیشل کسٹڈی میں دے رکھا ہے جبکہ وکیل سرکار کا تازہ ترین فرمان یہ ہے کہ ملزم کی بیوی زرینہ اپنے آشنا نبیل کے ساتھ کہیں بھاگ گئی ہے۔ اس صورت میں.....''

لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک بوجھل سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔ ''جناب عالی! اگر وکیل استغاثہ کے بیان کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس کی بنا پر میرا مؤکل بے گناہ ثابت ہو جاتا ہے۔ اگر اس کی بیوی کسی اور مرد کے ساتھ چلی گئی تو اس کے لیے میرے مؤکل کو قانوناً اور اخلاقاً مورد الزام ٹھہرانا انصاف کے اصولوں کے منافی ہے لہٰذا میں معزز عدالت سے اپنے مؤکل کی باعزت بریت کی درخواست کرتا ہوں۔''

''آپ اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہیں گے؟'' جج نے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے خشک لہجے میں پوچھا۔

''جناب عالی! میں نے ڈیفنس کے ایک سوال کا منطقی جواب دیا ہے۔'' وہ جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اسے میرا حلفیہ بیان یا دعویٰ تصور نہ کیا جائے۔ استغاثہ کا اسٹینڈ اب بھی وہی ہے جو اس کیس کے آغاز میں تھا، یعنی زرینہ کی گمشدگی کا ذمے دار ملزم ہی ہے اور یہ ناممکن نہیں کہ اس نے اپنی بیوی کو ٹھکانے لگا دیا ہو۔''

''مسٹر بیگ!'' جج نے رسان بھرے لہجے میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''پلیز پروسیڈ فرور۔''

''تھینک یو یور آنر!'' میں نے سر کو تعظیمی جنبش دیتے ہوئے کہا۔

آئندہ پانچ منٹ میں، میں نے مختصر مگر جامع الفاظ میں

www.zemtime.com

عدالت کو بتایا کہ کس طرح نبیل احمد نے عدالت کے کوریڈور میں زرینہ کے قتل کا اعتراف کرتے ہوئے مجھے چیلنج کیا تھا اور کسی پراسرار پردہ نشین نے کیسے ان تصاویر کو میرے آفس پہنچا کر مجھے یہ سوچنے کی دعوت دی کہ زرینہ اور نبیل کے بیچ بڑے خطرناک معاملات چل رہے تھے۔ ایسا ہی تاثر اس عیار نے وکیل سرکار کو بھی دینے کی کوشش کی اسی لیے وہی تصاویر موصوف تک پہنچادی گئیں۔ ڈیفنس اور استغاثہ کی اپروچ میں بس اتنا سا فرق ہے کہ استغاثہ نے تصاویر کو دیکھ کر یہ یقین کرلیا کہ زرینہ اور نبیل کے درمیان واقعتاً پیار محبت کی کہانی پروان چڑھ رہی تھی جبکہ.....'' میں سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوا پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ زرینہ اور نبیل کے درمیان اس نوعیت کی آشنائی کبھی بھی نہیں رہی تھی۔ تصویر میں جو شخص زرینہ کے بہت نزدیک نظر آرہا ہے، وہ نبیل نہیں ہے۔''

''تو پھر وہ کون ہے؟'' وکیل استغاثہ نے تعجب خیز انداز میں سوال کیا۔

''وہی جس نے مجھے اور آپ کو یہ تصاویر بھیجی ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''وہ بندہ نبیل سے کوئی پرانی دشمنی نکال رہا ہے۔''

''میں نے پہلے بھی آپ سے پوچھا تھا کہ ہمیں تصاویر بھیجنے والا وہ بندہ کون ہے مگر آپ نے کہا تھا اس پر بعد میں بات کریں گے۔'' وکیل استغاثہ نے بیزار کن لہجے میں کہا۔ ''اپنی ''بعد'' کو جلدی سے یہاں لے آئیں۔ گھما پھرا کر بات کرنے سے عدالت کا وقت برباد ہوتا ہے۔''

بات کے اختتام پر اس نے شکایت بھری نظر سے جج کی طرف دیکھا۔ وکیل استغاثہ کی یہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی۔ جج نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''بیگ صاحب! آپ وکیل صاحب کے سوال کا جواب دیں اور اس بات کی بھی وضاحت کریں کہ آپ کس بنیاد پر یہ دعویٰ کررہے ہیں کہ تصویر میں زرینہ کے ساتھ دکھائی دینے والا شخص نبیل احمد نہیں ہے؟''

''میں پہلے معزز عدالت کے استفسار کی وضاحت کروں گا اس کے بعد وکیل سرکار کو بھی دیکھ لوں گا۔'' میں نے خاصی کراری آواز میں کہا۔ ''یور آنر! میں نے نبیل کی صرف ایک جھلک دیکھی ہے۔ کورٹ کے کوریڈور میں وہ چند سیکنڈ کے لیے مجھے نظر آیا تھا لہٰذا اس کی شکل تو مجھے یاد ہے مگر چہرے کی دیگر تفصیلات کا مجھے علم نہیں لیکن ایک ایسا شخص اس وقت کورٹ روم سے چند گز کے فاصلے پر موجود ہے جو نہ صرف نبیل احمد کو بلکہ اس پراسرار شخص کو بھی اچھی طرح جانتا اور پہچانتا ہے جو اس گیم کا ماسٹر مائنڈ ہے۔ میں عدالت کے حکم پر اس واقف حال شخص کو صرف دو منٹ میں یہاں بلاسکتا ہوں پھر حقیقت حال کے چہرے پر پڑا ہوا پردہ خود بہ خود اٹھ جائے گا۔''

''ٹھیک ہے، آپ اپنے گواہ کو عدالت میں بلالیں۔'' جج نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں نے ایک پٹے والے کو اپنے پاس بلا کر اس کے کان میں کچھ ہدایات انڈیلیں اور اسے عدالت کی کینٹین کی جانب روانہ کردیا۔ مستقبل کا ڈاکٹر لیاقت علی کینٹین میں بیٹھا میرے ہی بلاوے کا انتظار کررہا تھا۔ جب تک پٹے والا صفائی کے گواہ لیاقت علی کو اپنے ساتھ کورٹ روم میں لاتا، میں نے جج کو نبیل کی گردن پر موجود پرانے زخم کے نشان اور بازوؤں پر نہ ہونے کے برابر بالوں کے بارے میں تفصیلاً بتانے کے بعد ٹھوس انداز میں کہا۔

''جناب عالی! میں اپنے مؤکل اور اس کیس کے ملزم چاند میاں کی رائے سے مکمل اتفاق کرتا ہوں۔ جس تصویر میں نبیل اور زرینہ محبت کے متوالوں کے روپ میں دکھائی دے رہے ہیں، وہ کسی فنکار کی چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ ہے۔ کسی نے تصویر میں موجود شخص کے چہرے پر نبیل کا چہرہ فٹ کرکے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ زرینہ اور نبیل کے بیچ دھانسو قسم کا عشق چل رہا تھا جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔''

ادھر میری بات ختم ہوئی، ادھر لیاقت علی کمرائے عدالت میں داخل ہوا۔ آئندہ چند منٹ میں لیاقت علی نے ساری سچائی بیان کردی اور آخر میں کہا۔ ''سر!'' اس کا مخاطب کرسی انصاف پر بیٹھا ہوا جج تھا۔ ''آٹھ سال پہلے ایک شخص نبیل کی گواہی کی وجہ سے سات سال کے لیے جیل چلا گیا تھا۔ یہ ساری سازش اسی کی رچائی ہوئی لگتی ہے۔ اس بندے کا نام منصور علی ہے اور اس کے بدن پر خاصے گھنے بال ہیں۔''

جب لیاقت علی کورٹ روم میں داخل ہوا تھا تو میں نے منصور علی کے چہرے پر بے چینی انگڑائی لیتے دیکھی تھی لیکن جب لیاقت نے اسے یکسر نظر انداز کردیا تو منصور خاصا مطمئن اور پُرسکون دکھائی دینے لگا تھا۔

''لیکن ہم اس ملتقم مزاج پراسرار شخص کو کہاں تلاش کریں جس کے بدن پر گھنے بال ہیں؟'' وکیل استغاثہ نے صفائی کے گواہ سے پوچھا۔ ''نبیل کے اس دشمن تک ہمیں کون پہنچائے گا؟''

''وکیل صاحب.....!'' لیاقت علی نے میری جانب

www.zemtime.com

اشارہ کرتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''اس تالے کی چابی بیگ صاحب کے پاس ہے۔''

''میرے فاضل دوست!'' وکیل استغاثہ نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ ''ہم سب پر تھوڑا احسان کر دیں پلیز!''

اس نے لفظ ''پلیز'' کو ایسی بے دردی سے کھینچا تھا جیسے وہ کوئی تیز دھار خنجر میرے سینے میں اتار رہا ہو۔ اسی لمحے جج کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

''بیگ صاحب! آپ اس سازشی شخص کے بارے میں جو کچھ جانتے ہیں، عدالت کے علم میں لے آئیں تاکہ اس کیس کو فیصلہ خیز بنایا جا سکے۔''

''اور اگر میں منصور علی کو عدالت میں حاضر کر دوں تو.....؟'' میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''کیا یہ فوری طور پر ممکن ہے؟'' جج نے حیرت بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

''اگر عدالت کا دروازہ بند کر کے وہاں کسی مسلح پولیس اہلکار کو تعینات کر دیا جائے تو میں یہ چمتکار دکھا سکتا ہوں۔'' میں نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

جج کی حیرت الجھن میں بدل گئی۔ اس نے ٹٹولنے والے لہجے میں استفسار کیا۔ ''اس کا کیا مطلب ہوا بیگ صاحب؟''

میں نے انکشاف انگیز لہجے میں ایٹمی دھماکا کیا۔

''سات سالہ سزا یافتہ شخص منصور علی اس وقت کورٹ روم میں حاضرین کے درمیان موجود ہے۔ آپ اس اسکیچ کی مدد سے بہ آسانی اسے پہچان سکتے ہیں۔''

اپنی بات کے اختتام پر میں نے شاہد حسین کا بنایا ہوا اسکیچ اپنے بیگ سے نکال کر جج کی میز پر رکھ دیا۔ اس کے بعد کمرائے عدالت میں جو سنسنی خیز اور ایکشن سے بھرپور فلم چلی ہوگی، میں اسے الفاظ میں بیان کرنے کے بجائے آپ کے تخیل اور تصور پر چھوڑتا ہوں، اس یقین کے ساتھ کہ آپ زرخیز ذہن کے مالک ہیں..... اس لائیو سین کو آپوں آپ انجوائے کر لیں گے۔

مجھے امید ہے کہ آپ میرے یقین کو ٹھیس نہیں پہنچائیں گے۔

☆☆☆

اس کیس کی ابتدا میں عدالت کے کوریڈور میں نبیل سے ہونے والی میری لمحاتی مگر ڈرامائی ملاقات کے نتیجے میں میرے ذہن میں جو کانٹا سا چبھ گیا تھا، وہ منصور علی کے اقبال جرم کے بعد غیر محسوس انداز میں نکل گیا تھا۔

اس روز عدالت میں جو کچھ ہوا، وہ اس کیس کا گویا ڈراپ سین تھا۔ جب جج نے اسکیچ کو دیکھنے کے بعد حاضرین عدالت پر متلاشی نگاہ ڈالی تو گھنگرالے بالوں والے منصور علی نے اپنی سیٹ سے اٹھ کر دروازے کی جانب دوڑ لگا دی تھی لیکن میں چونکہ اس حوالے سے متعلقہ عدالتی عملے کو پہلے ہی چوکنا کر چکا تھا لہٰذا منصور علی دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی پولیس کی حراست میں پہنچ گیا۔

جب پولیس کسی مجرم پر مضبوط ہاتھ ڈالتی ہے تو پھر اس کی زبان کھلوانے میں کوئی دقت یا دشواری پیش نہیں آتی۔ منصور علی نے پولیس کی کسٹڈی میں جو بیان دیا اس کا خلاصہ اس کہانی کا جزو لاینفک ہے کیونکہ اس کے بغیر، پڑھنے والوں کو خاصی تشنگی کا احساس ہوگا۔

منصور علی کے مطابق جیل سے رہا ہونے کے بعد اس نے سب سے پہلے نبیل احمد کو تلاش کیا تاکہ اس سے بدلہ لے سکے۔ وہ نبیل کے ایکٹنگ کے کیڑے سے بخوبی واقف تھا لہٰذا اس نے بیک وقت دو محاذ پر کام کیا۔ ایک تو اس نے چاند میاں کی بیوی زرینہ کے ساتھ راہ و رسم پیدا کی اور دوسرے اپنے ایک شوبز سے متعلق دوست کو نبیل کے پیچھے لگا دیا۔ وہ بندہ ریہرسل کے نام پر نبیل سے جو کہتا رہا، وہ کرتا چلا گیا۔ مجھ سے کوریڈور میں ہونے والی ملاقات بھی اسی ''ریہرسل'' کا نتیجہ تھی۔ منصور علی درپردہ رہ کر نبیل کے ساتھ چوہے بلی کا کھیل جاری رکھنا چاہتا تھا جس کے نتیجے میں نبیل ایسی مصیبت میں پھنس جاتا کہ اس کی ساری زندگی جیل کی سنگلاخ دیواروں کے پیچھے گزرتی۔ نبیل کو بالکل یہ معلوم نہیں تھا کہ شوبز سے تعلق رکھنے والا وہ شخص اس کے دشمن منصور علی کے اشاروں پر ناچ رہا ہے۔ اس کی خوش قسمتی یا بدنصیبی کہ ایک روز اس نے اس بندے کو فون پر کسی سے ایسی باتیں کرتے سن لیا جو اسی کی ذات سے متعلق تھیں اور خاصی خطرناک و جان لیوا بھی۔ نبیل کی اس مہلک ''جانکاری'' سے منصور علی واقف ہو گیا لہٰذا اس کھیل کے اختتام سے پہلے ہی نبیل کی زندگی کا چراغ گل کرنا ناگزیر ٹھہرا ورنہ اس نے سوچ رکھا تھا کہ نبیل کو جیل میں سڑانے کے لیے اگر اسے زرینہ کی زندگی سے کھیلنا پڑتا تو وہ ایک لمحے کی دیر نہ کرتا۔

زرینہ کو منظر عام سے غائب کر کے منصور علی نے اپنی تحویل میں رکھا ہوا تھا۔ اس کی گرفتاری اور اقبال جرم کے بعد زرینہ کو بازیاب کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔

چاند میاں کو زرینہ مل گئی اور منصور علی کو جیل۔ خار ماضی کو نکالنا اسے بہت مہنگا پڑا تھا۔

(تحریر: حسام بٹ)

www.zemtime.com